دیوانِ یونس فریدی

تقدیم و تدوین

ارشد ملک

دیوانِ یونس فریدی

تحقیق و تدوین

ارشد ملک

حُسنِ ادب، فیصل آباد

ASIAN RESEARCH INDEX

OPEN ACCESS

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

کتاب: مدی

(مقالہ برائے بی۔ایس ارو) جی سی۔وہاڑی

شاعر: یونس فریدی

مدون: ارشد ملک

اہتمام: ڈاکٹر نوید عاجز

نظرِ ثانی: شریف ساجد

حروف بندی: کیفیت مسعومیاں 0304-0492661

رابطہ شاعر: 0300-4589785

سالِ اشاعت: ۲۰۲۲ء

ناشر: حُسنِ اب، فیصل آباد

قیمت: 600روپے

ARI ID: 1689950890330

انتساب

نبی رحمت، شفیعِ امت، سید الانبیاء

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

کی بارگاہِ بلند مرتبت میں ہدیہ عقیدت

عکسِ مصنف

نام: حافظ محمد ارشد

قلمی نام: ارشد ملک

تاریخ پیدائش: ۲۹ جولائی ۱۹۹۵ء (پشاور)

ولدیت: محمد اشرف

تعلیم: بی۔ایس اردو

مشغلہ: شاعری

حال آباد: وہاڑی

فہرست

❖ خراجِ محبت	جمشید کمبوہ	07
❖ منظوم خراجِ تحسین	موج دین فریدی	08
❖ کچھ مصنف کے بارے میں	عباس علی شاہ ثاقب	09
❖ کچھ غیر رسمی باتیں	ارشد ملک	12
❖ یونس فریدی احوال و آثار		19
❖ یونس فریدی کی غزل گوئی		33
❖ دیوانِ یونس فریدی		59
❖ حمد و نعت		60
❖ غزلیات		67
❖ حواشی و حوالہ جات		175
❖ کتابیات		176

خراجِ محبت

(درصنعتِ توشیح)

ی یورشِ کرب و بلا میں عزم کا کوہِ گراں
و ورطۂ حیرت میں گم ہے علم و فن کا آسماں
ن نازشِ اہلِ محبت، افتخارِ دوستاں
س سرخوشی، وارفتگی کا ایک بحرِ بے کراں

ف فصلِ گل میں ، حسن پرور ، گل رخوں کا ترجماں
ر رشحہ فکر و نظر ہے کیف و مستی کا جہاں
ی یاس نگری میں قسیمِ حوصلہ، ہمت نشاں
د دشتِ نفرت کو قلم اس کا بنائے گلستاں
ی یکہ تازِ فکر و فن ہے ، شاعرِ ندرت نشاں!

جمشید کمبوہ

منظوم خراجِ تحسین

(درخدمت یونس فریدی)

سخن ہے موثر موقر فراواں غمِ عشق سے سر بہ سر چاک داماں
تصور میں ہر دم وہی روئے جاناں مجسم مروّت، معطّر گلستاں
نوائے محبت، نہ دیدی، شنیدی
سخن کا ہے شہ کار یونس فریدی

ادب کے جہاں کا یہ روشن ستارا بہت خوبصورت، بہت پیارا، پیارا
ہر اک شعر سے حسنِ فن آشکارا ادب کے شبستاں میں روشن ستارا
کشودہ ہمہ قفلِ فن چوں کلیدی
سخن کا ہے شہ کار یونس فریدی

یونہی تو نہیں چار سو نام اس کا بہت دل کش و دل نشیں کام اس کا
ہے صرفِ سخن چین آرام اس کا ہے صہبائے الفت سے پر جام اس کا
سخنور ہیں یوں تو بہت ہی فریدی
سخن کا ہے شہ کار یونس فریدی

موج دین فریدی

کچھ مصنف کے بارے میں

اصل نام: حافظ محمد ارشد
قلمی نام: ارشد ملک
تخلص: ملک

۲۹ جولائی ۱۹۹۵ء بروز ہفتہ پشاور ننھیال میں پیدائش ہوئی۔ گھر میں پہلا بچہ ہونے کے باعث والدین اور قریبی رشتہ داروں میں خوشی کی لہر دوڑ اٹھی۔ سب نے بہت پیار کیا اور ناز اٹھائے۔ ارشد ملک کے والد کا نام محمد اشرف ہے اور والدہ کا نام سلمہٰ اشرف ہے۔ ارشد ملک کے والدین کا تعلق ضلع فیروز پور تحصیل موگا پنڈ دولت پورہ متحدہ ہندوستان سے تھا۔ بعد ازاں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو ہجرت کر کے پاکستان کے شہر قصور کے کیمپ میں دس پندرہ دن گزارے۔ پھر قصور سے دولمی، پھر بڈھے والا کھوہ راوی، پھر وہاں سے کہروڑ پکا آئے اور ٹھیکے پر کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر وہاں سے وہاڑی سکونت اختیار کی اور آج تک وہاڑی میں ہی سکونت پذیر ہیں۔ ارشد ملک کے دادا ابو کا نام حاجی محمد شریف اور دادی اماں کا نام شریفاں بی بی ہے جو بقیدِ حیات ہیں۔

ارشد ملک جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے تایا جی کی گود میں ڈال دیا تھا۔ چوں کہ ان کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں تھی۔ بعد ازاں دوسری شادی سے اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا۔ پھر ارشد ملک اپنے اصل والدین کی زیرِ کفالت آ گئے۔ ابتدائی تعلیم قائداعظم ماڈل ہائی سکول وہاڑی سے حاصل کی اور پرائمری پاس کرنے کے بعد جامعہ مدنیہ جامع مسجد باغ والی سے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ اور قرآنِ مجید حفظ کیا۔ حفظ کے بعد آٹھویں جماعت کا پرائیویٹ امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ تیمور شہید اسکول میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج وہاڑی

سے ایف۔ایس سی اور بعد ازاں اسی کالج کے یونیورسٹی پورشن میں جس کا بہاؤلدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے الحاق ہے، بی ایس اردو امتیازی، سی۔جی۔پی سے پاس کیا۔ارشد ملک کو بچپن سے شعروشاعری سے بہت شغف تھا۔وہ بچپن میں سنڈے میگزین، اخبارِ جہاں اور بچوں کا اسلام جیسے رسائل بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔اس کے علاوہ عید پر آنے والے شاعری سے متعلق پروگرامز بہت شوق سے دیکھتے تھے۔سکول اور کالج میں تقریری مقابلہ جات میں حصہ لیتے رہے اور نمایاں پوزیشن حاصل کرتے رہے۔نویں کلاس میں تھے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ پنجابی میں ماں کی شان میں چند مصرعے کہے'' ماواں ٹھنڈیاں چھاواں اولوکو ماواں ٹھنڈیاں چھاواں'' جدایہہ چھاواں ٹرجاون تے دھپاں لگن ہزاراں'' جب کہ انھیں وزن اور بحر کا کوئی شعور نہیں تھا۔پھر جب بی ایس۔اردو میں داخلہ لیا تو باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔تب سب سے پہلے نعت شریف کے چند اشعار کہے، ملاحظہ ہوں:

سرکارؐ مدینے بلائیں
پر نور فضائیں دکھائیں

ارشد ملک مختلف مذہبی محافل میں نقابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں۔جب بھی کسی محفلِ میلاد میں نظامت کے فرائض ادا کرتے ہیں تو اسے یہ اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں کہ آقا کریم ﷺ نے انھیں اپنی ثنا کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ارشد ملک ڈاکٹر اکرم عتیق اور ڈاکٹر وسیم عباس جوان کے استاد بھی اور بہت اچھے منجھے ہوئے شاعر بھی ہیں، ان سے باقاعدہ اصلاح لیتے ہیں اور اپنے استادِ محترم ڈاکٹر وسیم عباس کے بہت عقیدت مند ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کہتے ہیں:

'' ڈاکٹر صاحب بہت نفیس اور عمدہ شخصیت کے مالک اور کومٹڈ آدمی ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے شاگردوں کے لیے مخلص اور فیض رساں ہیں۔یہ ڈاکٹر صاحب کی نظرِ عنایت ہی ہے کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں۔اگر ڈاکٹر صاحب کا دستِ شفقت میرے سر پر نہ ہوتا

تو میں اپنے آپ کو پہچان نہ سکتا‘‘

ارشد ملک وہاڑی کے شاعروں میں ایک نو آموز ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ان کے کلام سے ہمیں ایک اچھے اور سنجیدہ شاعر کا تاثر ملتا ہے۔ارشد ملک نے شاعری کی مختلف اصناف مثلاً ،غزل،نظم،آزادنظم،نظمِ معریٰ،نعت منقبت اور ہائیکو میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کا کلام مختلف ادبی رسائل وجرائد میں بھی شائع ہو چکا ہے۔وہ وہاڑی کی معروف اور فعال ادبی تنظیم پیامِ ادب کے ممبر ہیں اورایک انٹرنیشنل ادبی تنظیم پاک برٹش آرٹس میں بطور جنرل سیکریٹری وہاڑی بھی اپنی ادبی خدمات احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔

ارشد ملک ایک خوب صورت لب ولہجے اور منفرد انداز کے شاعر ہیں۔ان کے کلام میں ہمیں زندگی کی مختلف پہلو تلخیاں ،لوگوں کے رویے، سیاسی وسماجی شعور، دنیا کی بے ثباتی، مزحمت،علامتی طنزیہ رومانی اورنعتیہ رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔مثال کے طور پر ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی سے ہر کوئی مغموم ہے
ہر کوئی سمجھے کہ وہ مظلوم ہے
ہے جفا ہر گام پر ، ہر موڑ پر
اور زمانے میں وفا معدوم ہے

وہ ایک خوبصورت شاعر ہی نہیں عمدہ مدون بھی ہیں جس کا ثبوت یہ مقالہ ہے جواب کتابی صورت میں اشاعت سے ہمکنار ہونے جارہا ہے۔ارشد ملک کو تحقیق وتدوین کا پہلا سنگِ میل عبور کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کی کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں

خیر اندیش

عباس علی شاہ ثاقبؔ

ایم۔فل سکالر(رفاہ یونیورسٹی،فیصل آباد کیمپس)

کچھ غیر رسمی باتیں

ابتدائے کلام کرتا ہوں دم تری بندگی کا بھرتا ہوں
جب تری حمد کان پڑتی ہے دلِ مردہ میں جان پڑتی ہے

کیونکہ

ہے نکتہء آغازِ سخن نام اسی کا

میں سب سے پہلے خدائے بزرگ و برتر کی بلند بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں جس نے مجھے عقل وشعور بخشا اور فہم وفراست سے نوازا۔الحمدللہ رب العالمین علی کل حال!۔بعد از حمد وثناء مقصودِ کائنات فخرِ موجودات شفیعِ اعظم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ کی بارگاہ میں دست بستہ بے حساب درووسلام کہ جن کا امتی ہونے کی خواہش انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمائی۔

خدائے بزرگ و برتر کا بے حساب شکر گزار ہوں کہ جس نے اپنی رحمت سے مجھے زندگی کے اس سفر کو عبور کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنی امی جان کا جو کہ میری پہلی استاد ہیں اور جنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا۔اپنے والد محترم کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے خود تنگیاں اور پریشانیاں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور ہمیں ہر سہولت اور آسائش فراہم کی اور مجھے ہر چند روز بعد میرے مقالے کی بابت پوچھتے رہے کہ ''بیٹا کتنا کام کر لیا اور کتنا رہتا ہے''۔اس سے مجھے بروقت کام کرنے میں تحریک ملتی رہی۔میں اپنی دادی جان کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جن کی بدولت میرے اندر ادبی ذوق پیدا ہوا۔اپنی دونوں بہنوں کا بھی دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ لکھنے کے دوران میری ہر ضرورت کا خیال رکھا اور میری ایک آواز پہ لبیک کہا۔میں اپنے شاگردِ رشید محمد خلیل اور چھوٹے بھائی محمد دانش ملک کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کلامِ یونس فریدی کو ٹائپ کرنے میں میری مدد کی۔ان کے لیے دل سے دعا گو ہوں کہ خالقِ کائنات انہیں زندگی

کے ہر شعبے میں کامیاب و کامران کرے۔ میں اپنے اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں تحقیقی مقالہ لکھ سکوں۔ مقالہ لکھنے میں جہاں جہاں کوئی بھی دقت پیش آئی میری رہنمائی اور اصلاح کی۔ بالخصوص میں اپنے نگرانِ مقالہ ڈاکٹر اکرام عتیق صدرِ شعبہ اردو کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر موڑ پر میری کامل رہنمائی فرمائی۔

جب میں نے بی۔ایس اردو میں داخلہ لیا تو مجھے معلوم پڑا کہ ساتویں میقات میں ایک تحقیقی مقالہ لکھنا ہوگا۔ میں شروع دن سے ہی مقالہ لکھنے کے لیے پرعزم تھا اور آخر وہ وقت آن پہنچا جب مجھے ایک مقالہ لکھنا تھا۔ اب ایک مشکل یہ پیش آئی کہ مقالے کا موضوع کیا ہونا چاہیے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ڈاکٹر اکرم عتیق صاحب کے مشورے سے تدوین کا کام کرنے کا ارادہ کیا۔ اب تدوین کے لیے معیاری کلام کا ہونا ضروری تھا۔ اس عقدے کو ڈاکٹر صاحب نے بڑی فہم و فراست سے سلجھایا اور پاک پتن شریف کے ایک بزرگ شاعر یونس فریدی کے متعلق مجھے کچھ معلومات فراہم کیں۔ یونس فریدی کا اب تک کوئی بھی شعری مجموعہ منظرِ عام پر نہیں آیا اور نہ ہی انہوں نے اپنی درویش منشی کے باعث اس امر میں کوئی خاصی دل چسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بقول ان کے:

یہی بہتر ہے، شاعرِ گمنام
شہرتوں کے وبال رہنے دے

ان کی عمر بھی اس وقت تقریباً 66 برس کے قریب ہے۔ میں نے فیس بک اور کچھ ادبی رسائل و جرائد سے ان کا کلام تلاش کیا اور پڑھا۔ پھر اس قابل سمجھا کہ واقعی میں ان کے کلام پر تدوین کا کام ہونا چاہیے۔ پھر جب یونیورسٹی سے میرا موضوع منظور ہو گیا تو میں باقاعدہ ڈاکٹر صاحب کی راہنمائی میں اپنا مقالہ لکھنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی ہوا۔ بحیثیتِ طالبِ علم مقالہ میں یقیناً کافی سقم رہ گئے ہوں گے۔ اس مقالے کو ایک طالب علم کی ادنی سی کاوش گردانتے ہوئے انہیں نظر انداز کرنے کا التماس گزار ہوں۔

کسی بھی شاعر یا ادیب کے کلام کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لئے بہت سے عوامل کار

فرما ہوتے ہیں۔ یہ عوامل داخلی شواہد یا خارجی شواہد پر مبنی ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی شعری یا نثری فن پارے کو پرکھنے کے لیے داخلی و خارجی شہادتوں کا عمل دخل انتہائی ناگزیر ہے۔ تحقیق میں شہادت یا ثبوت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ شہادت کو داخلی اور خارجی دائروں میں تقسیم کر کے تحقیق میں مدد لی جاتی ہے۔

داخلی شہادت سے مراد وہ شہادت ہے جو کسی خاص ضمن میں خود صاحبِ تحریر یا صاحبِ تصنیف کے ہاں سے مل جاتی ہے۔ داخلی مواد سے متعلق پہلی چیز تو یہ ہے کہ مصنف کی شخصیت کی کا جائزہ تاریخی ترتیب و توقیت کے ساتھ لیا جائے۔ تا کہ اس کے ذہن کی تدریجی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ اپنے زمانے میں شاعر یا مصنف کس طرح کی زبان استعمال کرتا تھا؟ وہ کونسی تشبیہات و استعارات سے کام لیتا تھا؟ وہ اپنے دماغ میں کن خیالات کو بسائے رکھتا تھا؟ اور ادب سے متعلق اس کی پسند یا ناپسند کیا تھی؟ یہ سب کچھ اس کی اپنی تحریروں سے مل سکتا ہے۔

داخلی شہادتیں ہمیں مختلف شعراء، ادیبوں اور عظیم تاریخی شخصیتوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ جبکہ خارجی شواہد وہ تحریری ثبوت ہوتے ہیں جو کسی بھی معاملے سے متعلق معاصر یا غیر معاصر تحریروں میں موجود ہوتے ہیں۔ معاصر تحریریں ہم زمانہ تحریریں ہوتی ہیں اور غیر معاصر ان تحریری شواہد کو کہا جاتا ہے جو معاصر نہیں ہوتے اور بعد کی نگارشات میں ان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ خارجی شواہد کے لیے تذکروں اور تاریخوں کے علاوہ بعض مرتبہ معمولی معمولی رسائل بلکہ اخبارات بھی اہم ثابت ہوتے ہیں یعنی ان میں کسی شخصیت کے متعلق کوئی بھی اشارہ مل جاتا ہے۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں وقت تک اس نے کیا لکھ لیا تھا۔

اگر کوئی شاعری پر تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے کہا جاتا ہے کہ کسی ایک شاعر پر کام کریں۔ اور پہلے خارجی شواہد کو تلاش کریں۔ یعنی شاعر کے متعلق تمام ضروری تذکرے اور تاریخیں دیکھ لی جائیں۔ تا کہ حالات میں جہاں کہیں اختلاف نظر آئے اسے نوٹ کر لیا جائے اور دیگر داخلی شہادتوں کے ذریعے ان کی تحقیق میں مدد لی جا سکتی ہے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر کسی شاعر یا ادیب کے متعلق ایک رائے قائم کی جا سکتی

ہے۔ یہ رائے بالکل درست ہو یہ ضروری نہیں۔مگر نسبتاً یہ رائے بہتر ضرور ہوتی ہے۔کسی شاعر کا مقام ومرتبہ متعین کرنے میں درج ذیل عوامل کچھ حدتک مدد ومعاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

- ❖ وہ ادبی مواد جو شاعر کے متعلق مرقوم ہواور جس کو مدنظر رکھ کر ناقدین اپنی آراء پیش کریں۔
- ❖ شاعر کی مشاعروں میں شرکت اور عوامی مقبولیت۔
- ❖ حکومتی پشت پناہی یا کسی بڑی ادبی تنظیم کے پلیٹ فارم کا حصول۔
- ❖ شاعر کا کلام ادبی رسائل وجرائد اور مجموعوں کی صورت میں شائع ہونا۔

مثلاً نظیر اکبرآبادی کا موازنہ ان کے معاصرین سے کیا جائے تو ناقدین نے انہیں وہ مقام ومرتبہ نہ دیا جس کے وہ اصل میں حقدار تھے۔اس دور کے ناقدین نے ان کے کلام کو کمتر اور حقیر جان کر وقعت نہ دی۔کیونکہ انہوں نے اپنے زمانے کی مروجہ روش سے بغاوت کی اور عوامی اور عامیانہ لہجہ اختیار کیا۔لیکن جب برصغیر میں انگریزوں کے وارد ہونے کے بعد شاعری کا ازسرنو جائزہ لیا گیا تو نظیر کو نہ صرف عوام میں بلکہ خواص میں بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے غزل کی بجائے نظم کو زیادہ اہمیت دی۔اس سلسلے میں انجمن پنجاب، ترقی پسند تحریک اور نظریہء ادب برائے زندگی وغیرہ تمام عناصر اس امر کی بنیاد بنے۔جس کی بنا پر نظیر اکبرآبادی کو بلند مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔

اسی طرح ایک اور مثال غالب کے متعلق دیکھی جائے تو مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آب حیات''میں ذوق کے مقابلے میں غالب کو وہ درجہ نہیں ملا جس کے وہ قابل اور حقدار تھے۔لیکن بعد کے دور نے غالب کی برتری کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ان کے دیوان کو''ہندوستان کی الہامی کتاب'' کا درجہ بھی دیا۔(۱)

درج بالا بحث سے یہ ہرگز مطلب اخذ نہ کیا جائے کہ نظیر اور غالب کے کلام میں وہ انفرادیت، اعلیٰ پن یا خصوصیات پہلے سے موجود نہیں تھیں جن کی بنیاد پر انہیں شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ بلکہ ان مثالوں کا مقصد صرف اس بات پر روشنی ڈالنا ہے کہ یہی وہ عوامل ہیں جو کسی شاعر کی تخلیقات کو منظر عام پر زیر بحث لے آتے ہیں۔

مقالہ نگار کے لیے دیوانِ یونسؔ فریدی کی تدوین میں دلچسپی لینے کے اصل میں دو محرکات ہیں:

❖ اوّل اس (مقالہ) سے پہلے یونسؔ فریدی پر (کلام کی تدوین کے اعتبار سے) کوئی کام نہیں ہوا تھا صرف کچھ کتب یا جرائد میں ان کے متعلق شخصی کوائف اور کلام کے حوالے سے ''انتخاب'' نظر سے گزرے ہیں جو ان کے کلام کا قطعاً بھی احاطہ نہیں کرتے۔

❖ آخر یہ کہ یونس فریدی کی عمر ۶۶ سال ہو چکی ہے لیکن ابھی تک اس سے پہلے ان کا کوئی مجموعہء کلام شائع نہیں ہوا۔ اس کاوش سے ان کا کلام دیوان کی صورت میں محفوظ کیا جا سکے گا۔

یونس فریدیؔ بنیادی طور پر ایک غزل گو شاعر ہیں۔ ان کی غزل کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہی ان کے کلام کے معیار اور رفعت و بلندی کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کام کی اہمیت اور وقعت مزید بڑھ جاتی ہے کہ ان کی شاعری فکر و فن دونوں اعتبار سے معیاری ہے۔ اس کا منظر عام پر آنا انتہائی ناگزیر ہے۔ اس کی وضاحت یونسؔ فریدی فکر و فن کے عنوان کے تحت آگے آئے گی۔ اس امر سے یہ ہرگز تاثر نہ لیا جائے کہ اس کا مقصد صرف یونسؔ فریدی کو بلند پایہ شاعر منوانا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف اتنا ہے کہ اس چھوٹی سی کاوش سے اردو ادب کی آبیاری ہو اور دوسرا ان کے کلام کو اسی طرح پیش کر دیا جائے جیسا کہ اصل میں ہے۔

یونسؔ فریدی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ لیکن انہوں نے شاعری کا آغاز متفرقات سے کیا۔ پھر کچھ ہی عرصے بعد چھوٹی بحر کو اپنی طبع کے لیے موزوں پایا اور پھر مستقل طور پر اسی طرز کو اپناتے ہوئے سہل ممتنع کا دامن تھام لیا۔ یونسؔ فریدی غزل کے علاوہ نعت بھی کہتے ہیں مگر بہت کم۔ اس کے بارے میں ایک انٹرویو میں کہتے ہیں کہ:

> ''اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری میں سب سے مشکل صنف نعت ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تعریف صحیح معنوں میں کرنے سے مجھ جیسا عام شاعر قاصر ہے۔ اس لئے بہت کم رجحان ہے نعت کی طرف''۔ (۲)

غزل یونس فریدی کی پسندیدہ صنفِ سخن ہے۔ان کا کلام پڑھتے ہوئے فنی وفکری بالیدگی کا احساس ہوتا ہے۔موضوعات کی بوقلمونی ان کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کے اشعار، رنج وغم ،غربت اور بے بسی، وارداتِ عشق ومحبت، خیال کی ندرت، معاملہ بندی اور رجائی لب و لہجے کی عمدہ تصویر ہیں۔

دیوان کی صورت میں یونسؔ فریدی کے کلام کا ایک اچھا خاصا ضخیم مجموعہ یکجا اور محفوظ ہوجائے گا۔یہ مقالہ اس اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دیوان کی تدوین سے قبل فریدی صاحب کا کوئی بھی مجموعۂ کلام دستیاب نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مجموعۂ کلام شائع ہوا تھا۔اس سے پہلے ان کی چند غزلیں مختلف رسائل وجرائد میں یا انتخاب کی صورت میں دستیاب تھیں۔دیوان میں شامل غزلیں فریدی صاحب کے قلمی نسخے ،بیاضوں اور کچھ دیگر ادبی رسائل و جرائد اور انتخاب سے حاصل کی گئی ہیں۔ان تمام غزلوں کو ردیف کے اعتبار سے ''حروفِ تہجی'' کی ترتیب سے مدون کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

> مقالے میں سوانحی اعتبار سے صرف ایسی ہی معلومات درج ہیں، جو انتہائی ناگزیر شخصی کوائف پر مشتمل ہیں جیسے کہ ''ابتدائی حالات''،''اجداد کا تعلق''،''شاعری کا آغاز''،''تعلیمی دور''،''ذریعہء معاش''،''عائلی زندگی''اور چند ایسے''ناقابل فراموش واقعات''جن کے اثرات ان کی شاعری پر اثر انداز ہوئے وغیرہ۔ زیرِ بحث ''تدوینِ دیوانِ یونسؔ فریدی'' کی اہمیت وافادیت اس صورت بھی بڑھ جاتی ہے کہ یونسؔ فریدی نے اپنی درویش منشانہ طبیعت کے باعث اپنے مجموعہء کلام کی اشاعت کے لئے خاص تگ ودو نہیں کی اور نہ ہی اس متعلق کوئی سنجیدہ کوشش کی۔مقالہ نگار جب ان سے انٹرویو اور کلام کی فراہمی کے سلسلے میں پاکپتن شریف ان سے ملنے گیا تو انہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ مجھے یعنی مقالہ نگار کو اس کام سے کوئی

فائدہ ہوگا تب ہی وہ سنجیدگی سے اس مقالے کے لیے کلام کی فراہمی
میں معاون ہوں گے۔ کیونکہ وہ عمر کے اس حصے میں ہیں جس میں ان
کے کلام کا شائع ہونا یا نہ ہونا خاصی اہمیت نہیں رکھتا۔(۳)

دیوانِ یونس فریدی میں جو غزلیں ادبی رسائل و جرائد یا مختلف انتخاب کی کتب سے حاصل کی گئی ہیں اور وہ شاعر کے قلمی نسخوں کی صورت میں بھی دستیاب تھیں۔ ان میں سے جو غزلیں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکی ہیں، حاشیے میں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یونس فریدی کے جو بھی مخطوطات یا بیاضیں دستیاب ہوئی ہیں اور جو کلام ادبی رسائل و جرائد یا انتخاب کی صورت میں دستیاب ہوا، اسے منشائے شاعر کے مطابق ''حروفِ تہجی'' کی ردیفی ترتیب میں پیش کیا گیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖

حوالہ جات

۱۔ عبدالرحمٰن بجنوری۔ ''محاسن کلامِ غالب''۔ دہلی: انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۸۳ء۔ ص ۵

۲۔ یونس فریدی۔ ''استفسارِ مقالہ نگار''۔ پاکپتن: مکان نمبر ۶۲۲ گلی ۳ گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔ ۸ جولائی ۲۰۲۱ء۔

۳۔ یونس فریدی۔ ''استفسارِ مقالہ نگار''۔ پاکپتن: مکان نمبر ۶۲۲ گلی ۳ گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔ ۱۵ مارچ ۲۰۲۱ء۔

❖❖❖❖❖❖❖

یونس فریدی: احوال و آثار

مکمل نام: محمد یونس

قلمی نام: یونسؔ فریدی

تخلص: یونسؔ

پیدائش:

یونسؔ فریدی ۴ اگست ۱۹۵۵ء بروز جمعرات شہرِ فریدؒ (پاکپتن شریف) کے محلّہ ''غلہ منڈی'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام چودھری ولی محمد ہے۔ ایک معزز آرائیں گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

شروع شروع میں ان کا نام ''محمد اصغر'' رکھا گیا اور بلدیہ میں بھی اسی نام کا اندراج کروایا گیا۔ بعد میں سرداراں بی بی (پھوپھی) نے نام محمد یونس رکھا جو آج تک ان کی پہچان کا باعث ہے اور اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔(۱)

پھر بعد میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ دلی عقیدت اور نسبت کے باعث نام کے ساتھ ''فریدی'' لکھنا شروع کیا۔ یونسؔ فریدی اس بارے میں کہتے ہیں:

> ''اپنے نام کے ساتھ فریدی میں نے خود ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ میرے ایک استادِ گرامی! نے پوچھا فریدی کے کیا معنی ہیں؟ اور تم نے کیوں لگایا ہے اپنے نام کے ساتھ؟ میں نے عرض کی جناب معنی تو مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ سو میں نے لگا دیا۔ اور پھر بعد میں جب میرے شعور کی آنکھ کھلی تو میرا رجحان تصوف کی طرف ہو

گیا۔ اور حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ سے دلی عقیدت ہوگئی جو آج بھی ہے۔ اب تو مکمل فریدی ہو گیا ہوں۔ ہاں بچپن میں اپنے والدِ گرامی کے ساتھ دربار شریف حاضری دیا کرتا تھا۔'' (۲)

یونس اپنے نام کے ساتھ فریدی لکھے بغیر اپنے نام کو ادھورا سمجھتے ہیں اور نام کے ساتھ فریدی لکھنا فخر محسوس کرتے ہیں۔ یعنی محمد یونس سے تب سے اب تک محمد یونسؔ فریدی لکھنا اپنی اصل پہچان کا باعث سمجھتے ہیں۔

خاندانی پسِ منظر:

جب یونسؔ فریدی کے شعور کی آنکھ کھلی تو وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے والد اور سارے بھائی دادا جان کے ساتھ مشترکہ خاندانی نظام جسے جوائنٹ فیملی بھی کہتے ہیں کہ تحت ایک ہی چھت تلے نہایت آرام وسکون اور اتفاق سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے دادا کا نام چوہدری حبیب الدین تھا۔ جو متحدہ ہندوستان میں محکمہ ریلوے میں سرکاری ملازم تھے۔ ۱۹۵۳ء میں باعزت طور پر مستعفی ہوگئے۔ ان کی پینشن 35 روپے مقرر ہوئی۔ یونسؔ فریدی اپنے دادا جان کے بارے کہتے ہیں:

''میرے دادا جان نمازی، پرہیز گار اور متقی انسان تھے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے کبھی تہجد قضاء کی ہو یا روزانہ کوئی بھی موسم ہو غسل نہ کیا ہو۔ وہ اپنی خوش لباسی اور حق گوئی کے بارے پورے علاقے میں مشہور تھے۔ صرف حقہ نوشی فرماتے تھے۔'' (۳)

یونسؔ فریدی کی پھوپھو عنایت بی بی (بقیدِ حیات) کے بقول:

''میرے آباواجداد کا تعلق ریاست پٹیالہ کے مشہور شہر ''مانساں منڈی'' سے تھا۔ میرے دادا چوہدری نبی بخش محکمہ ریلوے میں

ملازمت کرتے تھے۔ میرے والد چوہدری حبیب الدین اپنے گھر کے بڑے فرزند تھے۔ وہ بھی محکمہ ریلوے میں بطور شنٹنگ جمعدار ملازم تھے۔ متحدہ ہندوستان کے متعدد شہروں میں تبادلے ہوتے رہے۔ اس مدت کے دوران وہ پٹھان کوٹ، جالندھر، لوہیاں، سمہ سٹہ، قصور اور پاکپتن ڈیوٹی کرتے رہے۔ اپنی خوش لباسی، وقت کی پابندی اور صفائی کے ضمن میں آفیسرز کی گڈ بک میں تھے۔''(۴)

مزید کہتی ہیں کہ:

''تقسیم ہند کے موقع پر وہ فیروز پور چھاؤنی میں تعینات تھے۔ وہاں سے قصور اور بعد ازاں پاکپتن تشریف لے آئے۔ انہیں پاکپتن ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانے کے ساتھ سرکاری کوارٹر الاٹ ہوگیا۔ اسی دوران محلّہ غلہ منڈی میں (موجودہ) مکان الاٹ ہوگیا۔ پھر اس مکان میں اپنے بیوی بچوں سمیت مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں ان کا تبادلہ سمہ سٹہ ہوگیا۔ تب انہوں نے ملازمت سے ازخود استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں انہوں نے دیسی گھی کا کاروبار شروع کر لیا۔''(۵)

فریدی صاحب کی دادی اماں کا نام ''حسن بی بی'' تھا۔ وہ بھی بڑی نیک، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور نہایت شفیق طبیعت کی مالک تھیں۔ ان کے بطن سے پیدا ہونے والے چار بیٹوں اور تین بیٹیوں میں سے ولی محمد ان کے پہلے اور بڑے بیٹے تھے۔ ان کے صاحب زادگان کے نام بالترتیب یوں ہیں:

۱۔ چودھری ولی محمد ۲۔ چودھری ہدایت اللہ

۳۔ چودھری منور حسین ۴۔ چودھری محمد سرور

اور تین صاحب زادیاں تھیں:

۱۔عنایت بی بی

۲۔مختاراں بی بی

۳۔سرداراں بی بی

چوہدری حبیب دین کے بڑے بیٹے چوہدری ولی محمد کی شادی ان کی خالہ زاد ''رقیہ بی بی'' سے ہوئی۔ان کے بطن سے چار بیٹوں اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی نام بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔محمد یونس فریدی

۲۔حاجی منیر احمد

۳۔ذوالفقار علی

۴۔افتخار احمد

۵۔بلقیس بی بی

یونس فریدی کے والد محترم پیشہ کے لحاظ سے شہر کے معروف ٹیلر ماسٹر تھے۔ان کی دکان کا نام ''دی نشاط ٹیلرنگ ہاؤس'' تھا۔جو ریلوے روڈ پر ریلوے اسٹیشن کے قریب تھی۔اسی دکان میں ان کے دادا جان نے خالص دیسی گھی کا کاروبار کیا ہوا تھا۔ان کے دیسی گھی کی دھوم سارے علاقے میں مچی ہوئی تھی۔مگر دادا کی وفات کے بعد دیسی گھی کا کاروبار بھی ختم ہو گیا اور ان کے والد صاحب نے بھی ٹیلرنگ کا کام چھوڑ کر کالج روڈ پر ماسٹر سائیکل ورکس کے نام سے سائیکلوں کا کاروبار شروع کر دیا۔اپنے انتقال تک ان کے والد اسی کاروبار سے منسلک رہے۔یہ دَوران کی زندگی میں سنہری دَور تھا۔

انہوں نے اپنے بڑے بیٹے یونس فریدی کو ابتدائی تعلیم کے لیے گورنمنٹ ایم۔سی

پرائمری سکول غلہ منڈی پاکپتن میں داخل کروادیا۔انہوں نے اس سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ وہ اپنے وقت کے ذہین اور قابل طالب علموں میں سے تھے۔ان کے پرائمری اساتذہ کرام میں راج محمد صاحب اور محمد اسماعیل صاحب تھے۔اس وقت گورنمنٹ ایم۔سی پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر محترم عبدالغنی صاحب تھے جو نہایت وضعدار اور بااصول شخصیت کے حامل تھے۔

قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم انہوں نے اپنے گھر کے بالمقابل رہائش پذیر ایک بابا جی اور اماں جی سے روایتی انداز میں حاصل کی۔

یونس فریدی نے گورنمنٹ ہائی سکول پاکپتن میں ۱۹۶۷ء میں چھٹی جماعت میں داخلہ لیا۔۱۹۷۲ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔اس وقت عبدالقدیر ہاشمی صاحب سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔یونسؔ فریدی کو بچپن سے ہی فنونِ لطیفہ سے گہری وابستگی ہے۔اس بارے میں کہتے ہیں کہ:

انھوں نے جب ذرا ہوش سنبھالا تو مزاجاً خود کو دوسرے بھائیوں اور رشتہ داروں سے مختلف پایا۔وہ غیر شعوری طور پر فنونِ لطیفہ کی طرف راغب ہوگئے ۔مثلاً کتابت، رنگین پورٹریٹ، مصوری، کلاسیکل موسیقی اور اعلیٰ معیاری شاعری کا مطالعہ ان کے شوق میں شامل ہو گیا۔وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے فنونِ لطیفہ کی میرے خون میں سرائیت ہوگئی ہو۔(۶)

یونسؔ فریدی دوسرے فنون لطیفہ کی طرح موسیقی کے بھی دلدادہ ہیں۔وہ موسیقی سے جنون کی حد تک پیار کرتے ہیں۔اعلیٰ پائے کی موسیقی سننا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔اس کے متعلق کہتے ہیں:

''موسیقی سننے کا شوق کچھ اس طرح ہوا کہ میرے والد گرامی چودھری ولی محمد دربار عالیہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ پر حاضری کے لئے جایا کرتے تھے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہاں سارا دن قوالی ہوتی۔ انہیں (والد صاحب) بھی قوالی سننے کا شوق تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے بھی شوق پیدا ہو گیا۔ جب میں ذرا بڑا ہوا تو میں نے بھی دربار شریف جانا شروع کر دیا۔ اس وقت میرا شوق عروج پر تھا۔ وہاں بہت اچھے اچھے قوالوں کو سننے کا اتفاق ہوا۔ میرا شوق پروان چڑھتا گیا۔ ہمارے شہر کے ہی نہیں بلکہ پاکستان کے نامور قوال مثلاً مرحوم میاں داد، مرحوم پیر بخش فریدی اور محمد لطیف صابری (والدِ گرامی نذیر اعجاز فریدی قوال)، غلام چشتی کے ٹائم پر باقاعدہ قوالی سنی اور تسکین کا سامان کیا۔ موسیقی سے جنون کی حد تک پیار تھا۔ ہمارے ملک کا کوئی معروف گائیک ایسا نہیں جسے میں نے لائیو نہ سنا ہو۔ مثلاً مہدی حسن، غلام علی، پرویز مہدی، غلام عباس، اعجاز قیصر، اللہ دتہ لُونے والا، شوکت علی، طفیل نیازی، اُستاد نزاکت علی خان، سلامت علی خاں، اُستاد امانت علی خان، اُستاد فتح علی خان اور اُستاد نصرت فتح علی خان، میاں داد خاں، بخشی سلامت، میاں عبد اللطیف صابری، ملکہ موسیقی روشن آرا، ملکہ ترنم نور جہاں اور بھی بہت سے گلوکار سننے کا موقع ملا۔ یہ تو ابھی اختصار سے کام لیا ہے ورنہ لسٹ بہت طویل ہے۔ قصہ مختصر مجھے موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا، لگاؤ ہے اور رہے گا۔'' (۷)

فنونِ لطیفہ سے گہری دلچسپی کی وجہ سے یونسؔ فریدی سکول کی نصابی اور غیر نصابی

سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔انہوں نے مقابلہ مضمون نویسی، مقابلہ نعت خوانی میں کافی پوزیشنز حاصل کیں۔مزید برآں تھوڑا بہت شعروشاعری کا شوق بھی تھا۔اچھا شعر فوراً ازبر ہو جایا کرتا تھا۔جو ان کی قوت حافظہ کو ظاہر کرتا ہے اور اسی لیے انہیں اپنا تقریباً ۸۰ فی صد کلام زبانی یاد ہے۔

یہ دور یونسؔ فریدی کی شاعری کا شروعاتی دور تھا۔انھوں نے اپنے اردو کے استاد چوہدری رحمت علی مرحوم کی رہنمائی میں شعر کہنا شروع کیا۔اسی دوران فریدیہ کالج پاکپتن میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا جس میں یونس فریدی نے حصہ لیا اور نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

میٹرک میں ۸۰۰ میں سے ۶۱۲ نمبر حاصل کر کے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔میٹرک کے بعد ان کے والد محترم نے ان سے کہا کہ اب کوئی نوکری کر لو میٹرک کافی ہے۔لیکن انہیں ابھی اور تعلیم حاصل کرنی تھی اور حصول علم کا شوق جنون کی حد تک تھا۔والد محترم سے مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت طلب کی اور اجازت مل بھی گئی۔میٹرک میں چونکہ کہ اچھے نمبر تھے۔اس لیے انہیں گورنمنٹ فریدیہ کالج پاکپتن میں با آسانی داخلہ مل گیا اور ایسے مزید تعلیم کا حصول ممکن ہوا۔اس دور میں کالج کی عمارت ایک پرانی دیوہیکل قسم کی تھی مگر دیکھنے میں پُرشکوہ اور دل کش تھی۔اس وقت کالج کے پرنسپل حبیب اللہ وثیر تھے۔جو نہایت رحمدل اور شفیق انسان تھے۔

۱۹۷۴ء میں گورنمنٹ فریدیہ کالج پاکپتن سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔پھر اس کے بعد ۶ جنوری ۱۹۷۲ء میں والدہ محترمہ کے انتقال کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور تقریباً چار سال روزگار کے سلسلے میں لاہور اور کراچی میں بسر کیے۔یہ دور، ان کے لیے شدید اضطراب اور اذیت والا دور تھا۔اسی باعث یہ اضطراب و بے قراری کی کیفیت جابجا ہمیں ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔کہتے ہیں کہ:

مجھ سے پوچھو! عذابِ دَربدری
مدتوں دَربدر رہا ہوں میں

یونسؔ فریدی ایف اے (۷۴-۱۹۷۳ء) کے بعد بسلسلہ روزگار لاہور گئے اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں پانچ سو ماہوار پر ملازمت اختیار کی۔ وہاں انہوں نے سوچا کہ لاہور تو آیا ہی ہوں کیوں نہ درویش شاعر ساغر صدیقی سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ چھٹی کے دن ان کی تلاش کے لیے کمر کس لی۔ اور جہاں جہاں وہ ہو سکتے تھے تلاش کیا آخر کار سراغ ملا کے وہ بادشاہی مسجد کی طرف گئے ہیں۔ جب بادشاہی مسجد پہنچے تو دیکھا کہ ساغر صدیقی مسجد کے عقب میں محراب والی طرف کھلی جگہ میں بیٹھے ہاتھوں میں روٹی کے ٹکڑے لیے اپنے اردگرد بیٹھی سیکڑوں چڑیوں کو چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑے کر کے کھلا رہے تھے۔

''میں (یونس فریدی) نے با آواز بلند السّلام علیکم بابا (ساغر صدیقی) ہا! باباجی نے میری طرف دیکھا اور گویا ہوئے ''بھائی کہاں سے تشریف لائے ہو؟'' میں نے عرض کی پاکپتن شریف سے حاضر ہوا ہوں''۔ اتنا سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور ہاتھ ملایا۔ مجھے پاس بیٹھنے کے لیے کہا اور فرمایا! ''بچوں کو کھانا کھلا دوں پھر چائے پینے چلتے ہیں''۔(۸)

لاہور سے واپس لوٹنے کے بعد ۱۹۷۸ء میں یونسؔ فریدی کی شادی گھر والوں کی باہمی رضا مندی سے ہوئی۔ ان کی شریکِ حیات ان کی خالہ زاد ''خورشیدہ بی بی'' بنیں۔ ان کے بطن سے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں نے جنم لیا۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ عمران یونس ۲۔ ذیشان یونس
۳۔ فیضان یونس ۴۔ عدنان یونس

بیٹیوں کے نام:

۱۔لبنیٰ یونس ۲۔کنزہ یونس

یونسؔ فریدی تین بیٹوں اور دونوں بیٹیوں کی شادی کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ ان کے بڑے فرزند عمران یونس ابھی کنوارے ہیں۔اس کی وجہ بھی وہ خود ہی ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ ''جب تک میں اپنا گھر نہ بنالوں تب تک شادی نہیں کروں گا۔''(۹)

یونس فریدی ۱۹۸۰ء میں بطور کمرشل اسسٹنٹ میپکو ڈویژن پاکپتن ملازم ہوئے۔احسن طریقے سے اپنا کام سرانجام دیتے رہے اور ۲۰۱۱ء میں از خود ریٹائر ہوئے۔اب وہ غلہ منڈی پاکپتن شریف میں اپنے بیوی، بچوں اور دو بہوؤں کے ساتھ پرُسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یونسؔ فریدی اور شعر و سخن

یونسؔ فریدی جب آٹھویں جماعت میں تھے تو انہوں نے اپنی طبع موزوں پائی اور شاعری کا آغاز کیا۔وہ اپنے اشعار اپنے اردو کے استادِ محترم چوہدری رحمت علی گجر صاحب کو دکھایا کرتے تھے۔استادِ محترم نے بہت حوصلہ افزائی کی۔اس بارے میں وہ کہتے ہیں کہ:

> '' مجھے فنون لطیفہ سے بچپن سے ہی دیوانگی کی حد تک لگاؤ ہے۔گورنمنٹ ہائی سکول پاکپتن میں ۱۹۶۷ء میں داخلہ لیا۔تقریباً مڈل میں ایسا ہوا کہ اچھا شعر کسی کا بھی ہوتا مجھے فوراً ازبر ہو جاتا اور وہ میں اپنے ہم مزاج دوستوں اور اساتذہ کو سناتا وہ بہت محظوظ ہوتے۔اسی اثنا میں ہمارے ایک محترم استاد چوہدری رحمت علی گجر نے مجھ سے ساتذہ کے اشعار سنے تو بہت خوش ہوئے اور مجھے فرمایا کہ شعر کہنے کی کوشش کرو۔میں نے اپنے تئیں ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنا شروع کر دیے۔جہاں کوئی کمی پیشی ہوتی تو استادمحترم نے اصلاح کر دینی۔اس

طرح میں اچھے برے شعر کہنا شروع ہوگیا۔‘‘(۱۰)

ان کا پہلا شعر یہ تھا:

وہ جس مقام پہ پُرسانِ حال کوئی نہیں
یہ کس مقام پہ آ کر دغا دیا تو نے

غالباً نہم دہم کے دوران فرید یہ کالج کی جانب سے ایک مصرع طرح دیا گیا جس پر غزل کہنی تھی۔ وہ طرح مصرع یہ تھا:

’’ظلم کی اس ابتدا کو انتہا سمجھا تھا میں‘‘

اس پر گرہ دیکھیے جو انہوں نے لگائی:

مار ڈالا پیس ڈالا چکیوں کے پاٹ میں
’’ظلم کی اس ابتدا کو انتہا سمجھا تھا میں‘‘

مزید کہتے ہیں:

’’میں نے میٹرک کرنے کے بعد فرید یہ کالج پاکپتن میں داخلہ لیا۔ یہاں بھی شوقِ شاعری پروان چڑھتا گیا، مگر منظر عام پر نہ آیا۔ ہمارے ایک پروفیسر شیخ مشتاق تھے۔ انہوں نے میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے کالج میگزین نکالنے کا ارادہ کیا۔ اردو حصے کا مجھے اور انگریزی حصے کا خود کو ایڈیٹر مقرر کر دیا۔

یہاں (فرید یہ کالج) سے ایف اے کرنے کے بعد لاہور اور پھر بعد میں بسلسلہ روزگار کراچی چلا گیا۔ اس دوران بھی زیادہ نہیں برائے نام شعر کہتا رہا۔ ۱۹۷۸ء میں شادی ہوگئی اور پھر تقریباً پانچ چھے سال تعطل رہا۔ تقریباً ۹۰-۱۹۸۹ء پاکپتن میں ایک بہت اچھے استاد شاعر

محترم منیب برہانی دیپالپور سے تشریف لائے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ان سے رہنمائی مل سکتی ہے اور وہ واقعی ایک منجھے ہوئے شاعر تھے۔ انہوں نے بڑی شفقت سے ہامی بھری۔ اس طرح قبلہ منیب برہانی مرحوم میرے دوسرے استاد ہوئے۔ انہوں نے ''حلقہ ارباب فرید'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی ایک وقت میں محترمہ یاسمین برکت (مرحومہ) اس کی صدر اور میں (یونس فریدی) نائب صدر رہا۔''(۱۱)

مرحوم منیب برہانی کے بعد یونس فریدی نے بورے والا کے ایک منجھے ہوئے شاعر محترم کاشف سجاد (بقیدِ حیات) کی شاگردی اختیار کی۔ اس سلسلے میں وہ اپنے استاد صاحب کے متعلق کہتے ہیں:

''ہمارے شہر (پاکپتن) میں بورے والا سے ایک نہایت ہی نفیس، وضع دار اور خوبصورت شاعر محترم کاشف سجاد صاحب مشاعروں میں شرکت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کی سفید پوشی اور گفتگو کے علاوہ ان کی تیکھی اور استادانہ شاعری نے مجھے بہت متاثر کیا کیا۔ ہاں وہ اچھے شعر پر چاہے جونیئر شاعر ہو بھرپور داد دیا کرتے۔ مجھے بھی بہت پیار سے سنتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔ ظاہر ہے مجھے ایک راہ نما کی ضرورت تھی۔ میری نظرِ انتخاب قبلہ کاشف سجاد صاحب پر پڑی۔ اور میں بورے والا ان کی خدمت میں پیش ہوا۔ انھوں نے کسی توقف کے بغیر مجھے شرفِ شاگردی بخش دیا۔ واقعی میری سوچ کے مطابق ایک اچھے انسان ثابت ہوئے۔ انہوں نے نہایت خلوص و محبت سے میری رہنمائی فرمائی۔ میں جو کچھ بھی ہوں، ان کی توجہ، محنت

اور خلوص کی وجہ سے ہوں۔ اللہ تعالی انہیں عمرِ خضر عطا فرمائے آمین۔''(۱۲)

یونسؔ فریدی پاکپتن کی ایک فعال تنظیم ''ادب قبیلہ'' کے پہلے صدر بھی رہ چکے ہیں۔انہوں نے پاکستان کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر میں منعقد ہونے والے چھوٹے بڑے مشاعروں میں شرکت کی۔مثلاً لاہور، ملتان، اوکاڑہ، قصور، پتوکی، ساہیوال، پھول نگر، بہاولنگر، بورے والا، وہاڑی وغیرہ میں شرکت کی۔انہوں نے ملک کے معروف ومشہور شعراء احمد فرازؔ، احمد ندیم قاسمیؔ، ظفر اقبالؔ، اختر شمارؔ، امجد اسلام امجدؔ، نوشی گیلانیؔ، جعفر شیرازیؔ، عطاء الحق قاسمیؔ، محمود غزنیؔ، کاشف سجادؔ، شریف ساجداور استادِ فن جناب بیدلؔ حیدری کے علاوہ بہت سے نام ور شعراء کے ساتھ مشاعرے پڑھے۔

ایک مرتبہ بورے والا میں ایک مشاعرہ ہوا۔جس کی صدارت اُستادِ فکر وفن بیدلؔ حیدری فرما رہے تھے۔جب یونسؔ فریدی کی باری آئی تو انہوں نے اپنی ایک تازہ غزل پیش کی۔جب وہ اس شعر پر پہنچے اور مصرع اول پڑھا:

ترے ہی دم سے ہے، بستی میں آبرو میری
نگاہِ یار سلامت تجھے خدا رکھے

مصرع ثانی ابھی "نگاہِ" تک ہی کہا تھا کہ باقی حصہ حضرت بیدلؔ حیدری نے خود ارشاد فرما دیا۔اور جی بھر کے داد دی۔(۱۳)

اسی طرح شجاع آباد میں ماہنامہ ''آداب عرض'' کے زیر اہتمام بلدیہ ہال میں آل پاکستان مشاعرہ ہوا۔جس میں ملک بھر کے شعراء نے شرکت کی جن میں شاکرؔ شجاع آباد، غضنفرؔ روہتکی، ظفر اقبالؔ، اختر قریشیؔ، منیب برہانیؔ، فیضان اطہرؔ، محمد سرورؔ، برکت ساغرؔ اور دیگر نام ور شعراء شامل تھے۔مشاعرے میں شعراء کی تعداد سامعین سے کہیں زیادہ تھی کہ کچھ شعراء کو

گمان ہوا کہ شاید ہمیں موقع ملے نہ ملے۔ یونسؔ فریدی کی باری فجر کی نماز کے بعد آئی۔ جب انہوں نے اپنی غزل شروع کی اور جیسے ہی مقطع کہا:

کر کے مسمار وہ مٹی کے گھروندے یونسؔ
کیسا دریا ہے کہ فوراً ہی اتر جاتا ہے

تو سامعین کی جانب سے دل کھول کر داد ملی اور پیچھے سے ایک صاحب والہانہ انداز میں اسٹیج پر آئے اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ جیب میں جتنے پیسے تھے نکال کر قدموں میں رکھ دیے۔ اور بھرپور داد سے نوازا۔ مشاعرے کے بعد جب موصوف سے ملاقات ہوئی تو معلوم پڑا کہ ان کا نام محمود الحسن عابدؔ ہے۔ وہ خود بھی بہت اچھے شاعر ہیں اور کسووال سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱۴)

یونسؔ فریدی درویش منش اور تنہائی پسند آدمی ہیں۔ ان کو ریلوے اسٹیشن سے قلبی لگاؤ ہے۔ وہ فارغ وقت میں ریلوے اسٹیشن چلے جاتے ہیں۔ وہاں تنہائی میں گھنٹوں بیٹھنا اور فکر کے دروازے پر دستک دینا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ کافی غزلیں ریلوے اسٹیشن ہی کی دین ہیں۔ اس وقت وہ ادبی تنظیم ''ادب قبیلہ'' سے منسلک ہیں۔ اس ادبی تنظیم کا قیام ۲۰۱۲ء میں آیا۔ فریدی صاحب اس کے سب پہلے صدر بنے، 2022ء میں وہ سینئر نائب صدر منتخب ہوئے۔

❖❖❖❖❖❖❖

حوالہ جات

۱۔یونس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن: مکان نمبر۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۵مارچ۲۰۲۱ء۔

۲۔ایضاً

۳۔یونس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن: مکان نمبر۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۰،اپریل۲۰۲۱ء۔

۴۔عنایت بی بی (پھوپھی: یونس فریدی)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن: مکان نمبر۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۰،اپریل۲۰۲۱ء۔

۵۔ایضاً

۶۔یونس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن: مکان نمبر۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۲۲مئی۲۰۲۱ء۔

۷۔ایضاً

۸۔یونس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔۱۵مارچ۲۰۲۱ء۔

۹۔ایضاً ۱۰۔ایضاً

۱۱۔ایضاً ۱۲۔ایضاً

۱۳۔یونس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔وہاڑی: فائیو سٹار ہوٹل۔۱۳جون۲۰۲۱ء۔

۱۴۔ایضاً

❖❖❖❖❖❖❖

یونس فریدی کی غزل گوئی

اردو کے شعری منظرنامے پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر تمام اصناف ادب اپنی جگہ اہم ہیں مگر غزل کی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے غزل کو مقبول ترین صنف کا درجہ حاصل ہے۔ رفیع الدین ہاشمی غزل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''غزل کے لغوی معنی عورتوں یا عورتوں کے متعلق گفتگو کرنا ہیں۔ ہرن کے منہ سے بوقت خوف جو دردناک چیخ نکلتی ہے اسے بھی غزل کہتے ہیں۔ اس نسبت سے غزل وہ صنف شعر ہے جس میں حسن وعشق کی مختلف کیفیات کا بیان ہو اور اس میں درد وسوز بہت نمایاں ہو''۔(۱)

اردو کی کئی شعری ونثری اصناف مغربی ادب سے ماخوذ ہیں۔ لیکن غزل اردو کی وہ صنف سخن ہے جو خالصتاً برصغیر میں پروان چڑھی اور جس نے فارسی غزل سے استفادہ کیا۔ دیگر شعری اصناف کی طرح غزل کسی تسلسل کی محتاج نہیں بلکہ اس کا ہر شعر علیحدہ مفہوم لئے ہوتا ہے اور ایک شعر دوسرے شعر سے مختلف مضمون بیان کر رہا ہوتا ہے۔ ایک غزل ایک ہی بحر میں کہی جاتی ہے اور غزل کے لئے مطلع کا ہونا بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اولین دور میں غزل کے اشعار کی تعداد کو تو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا تھا۔ لیکن اب جدید شعری روایات میں غزل کے اشعار کم یا زیادہ لکھنے کی قید یا پابندی نہیں۔ غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ جبکہ آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے اسے مقطع کہتے ہیں۔ غزل کسی خاص یا مخصوص خیالات و مضامین کے حامل اشعار کی قید میں نہیں ہوتی بلکہ حسن وعشق، دردوغم، ہجر و وصال کے علاوہ مذہبی، سیاسی، سماجی اور فلسفے پر مبنی خیالات بھی اپنے اندر جذب کئے ہوتی ہے اور یہی پہلو غزل کی ہمہ گیریت کا ثبوت ہے۔

یونسؔ فریدی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ان کا کلام بہت متنوع ہے۔جس میں زندگی کا گہرا شعور مطالعہ نظر آتا ہے۔اس کے پیچھے ان کا عمیق مشاہدہ ءزیست ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے ہیں گرد و پیش سے زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا نا صرف عمیق مشاہدہ کیا بلکہ ان مسائل کو اپنی شاعری کا اٹوٹ انگ بنایا۔دیگر متعدد مسائل میں سے ایک بنیادی اور بڑا انسانی رویوں کا ہے اور منافقانہ رویوں اور لوگوں کے بخشے ہوئے غم و دولت ما ہیے آپ کی مانند ان کے دل کی حالت بھی مضطرب رہتی ہے۔فریدی صاحب لکھتے ہیں:

دل کا عالم نہ پوچھیے صاحب
جیسے مچھلی ہو آب سے باہر

ہم سے دنیا سوال کرتی ہے
چاہتوں کے نصاب سے باہر

اس کے بخشے ہوئے یہ غم یونسؔ
ہو رہے ہیں حساب سے باہر

ڈاکٹر رحمت علی شاد اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں یونسؔ فریدی کے کلام کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''یونسؔ فریدی کا لب و لہجہ توانا اور رجائیت پر مشتمل ہے وہ ہمیشہ اندھیروں کی بجائے اجالوں کی بات کرتے ہیں ہمت اور حوصلے کا درس دیتے نظر آتے ہیں زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسلوب کی تازگی داخلی و خارجی کیفیات،معاملہ بندی، جمالیاتِ

حسن، سیاسی و سماجی ناہمواری ظلم و جبر کے خلاف احتجاجی انداز کی کشمکش عشق و محبت جیسے لطیف اور کومل جذبات کا اظہار، ہجر و وصال کی کیفیات سے معمور موضوعاتی تنوع ان کے کلام میں بدرجہ اتم دیکھا جا سکتا ہے۔ان کا شعری سفر غمِ جاناں سے ہوتا ہوا غمِ دوراں اور غمِ ذات سے ہوتا ہوا غم کائنات کی طرف کی جانب کوچ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ لٹنے کے باوجود ان کے چہرے پر رنج و ملال کے کوئی آثار نظر نہیں آتے اور وہ وہ بتاتے ہیں کہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے والوں کو اپنی قباؤں کا کتنا خیال ہے۔''(۲)

چہرے پہ بے بسی ہے نہ رنج و ملال ہے
لٹنے کے باوجود بھی میرا یہ حال ہے

کیچڑ اچھالنے سے ہی فرصت نہیں جنھیں
اپنی قباؤں کا اُنھیں کتنا خیال ہے

ایک شاعر جہاں تک اپنے سماج کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہیں اس شاعر کی شاعری بھی اس کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ویسے کسی کی بھی شخصیت اتنی سادہ اور واضح نہیں ہوتی اور نہ ہی شاعری کے اسرار و رموز کی جانکاری کوئی عام فہم کام ہے۔کسی بھی شاعر کی شاعری میں اس کی شخصیت صاف جھلکتی ہے۔ کیونکہ شاعری شاعر کی قلبی وارداتوں اور شعور و لاشعور میں ہونے والی کیفیات سے تخلیق پاتی ہے۔اس لیے شاعر کسی طور بھی اپنی شخصیت کو اپنی شاعری سے جدا نہیں کر سکتا۔شعری کائنات ایک طلسماتی دنیا ہے۔جس میں کہیں تیرگی تو کہیں روشنی کا وجود پنہاں ہوتا ہے۔شاعر فکری و فنی روایات کا بھی امین ہوتا ہے۔اس لیے اس کی آواز میں سابقہ آوازوں کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔یونس فریدی کی شاعری میں یہ آوازیں اپنی آب و

تاب سے گونجتی سنائی دیتی ہیں۔ یہ آوازیں اور کلاسیکی روایات اور جدت پسندی مل کر انہیں انفرادیت اور پہچان عطا کرتی ہیں جن سے ان کا رنگِ تغزل مزید نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

دو دلوں کے درمیاں یہ رابطہ تو دیکھیے!
گفتگو تو ہو رہی ہے، بولتا کوئی نہیں

پیار و محبت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جذبات اور تاثرات کا بنیادی جذبہ انسانی جبلت ہے۔ اس محبت اور رومانیت کا مہذب اظہار پورے مشرقی ادب کا خاصہ ہے۔ اس لیے غزل کی آبیاری میں جذبہء مذکور کا کردار اساسی اہمیت کا حامل ہے۔ یونسؔ فریدی کی شاعری میں یہ جذبہ پوری طرح موجود ہے اس جذبے کی متنوع صورتیں ان کے کلام میں جا بجا دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے کلام میں محبت کا استعارہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ وہ انسان کے ظاہر و باطن سے بلکہ زندگی کے ہر پہلو سے محبت رکھتے ہیں جس کا تعلق اخلاقیات اور انسان دوستی سے بھی ہے۔ جذبہء عشق کی اس رنگارنگی نے انہیں مکمل طور پر اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ ان کے کلام میں محبت کا یہ انداز ملاحظہ فرمائیں جس میں محبوب کے دلکش خدوخال دیکھ کر دلِ مضطر کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ محبوب کو آواز دے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ محبوب کا بار بار دیکھنا انہیں حیرت سے دوچار کر دیتا ہے:

یوں دیکھنا مجھے جیسے کبھی نہ دیکھا ہو
گھڑی گھڑی تجھے آخر یہ سوجھتا کیا ہے

وہی ہے چہرہ، وہی چال ہے، وہی آنکھیں
پکار لے دلِ مضطر تُو دیکھتا کیا ہے

انسانی جذبات واحساسات، پیار ومحبت اور وفورِ عشق ایسے موضوعات ہیں جن پر تقریبا تمام شعراء نے ہی قلم اٹھایا ہے۔ایسے روایتی موضوعات اور معاملہ بندی کے مناظر یونسؔ فریدی کے ہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ایک جگہ پر وہ محبوب کے رُخِ زیبا کو دھرتی کا چاند گردانتے ہوئے اپنے رخ سے سے زلفیں ہٹانے کا کہتے ہیں۔فریدی صاحب کہتے ہیں کہ:

ہم بھی دیکھیں یہ چاند دھرتی کا
رُخ سے زلفیں ذرا ہٹانا تم

یونسؔ فریدی کی غزل روایت سے ناتا نہیں توڑتی بلکہ ہجر و وصال اور جدائی جیسے موضوعات کا احاطہ بخوبی کرتی ہے۔ان کے نزدیک محبوب سے دور رہنا اپنی شناخت کھو دینے کے مترادف ہے۔

اپنی پہچان بھی تو کھو دی ہے
دور تجھ سے اگر رہا ہوں میں

اپنی پہچان کھونے بعد بھی ان کے مقدر میں ہجر ہی لکھا ہے اور محبوب کے متعلق گلہ کرتے ہوئے یک لخت کہتے ہیں:

جدا مجھ سے کوئی ہوا چاہتا ہے
میں کیا چاہتا ہوں وہ کیا چاہتا ہے

یونسؔ فریدی کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت روزمرہ زندگی کو چیزوں کے آئینے میں بیاں کرتے چلے جاتے ہیں۔قاری کو ان کی غزلیں جذباتی سطح پر متاثر کرتی ہیں اور جذبات کی تیز رو قاری کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔فریدی صاحب محسوسات و جذبات کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ان کی شاعری نہ صرف ذہن کو بلکہ دل کو بھی متاثر کرتی ہے۔اشعار دیکھیئے:

رفتہ رفتہ خواب ہوتی جا رہی ہیں
چاہتیں نایاب ہوتی جا رہی ہیں

دل میں نفرت کا اندھیرا بڑھ رہا ہے
صورتیں مہتاب ہوتی جا رہی ہیں

قاری یا سامع کلام کے سحر میں ڈوب کر اسے اپنے لیے کہے ہوئے اشعار گردانے لگتا ہے اور اسے یہ اپنے دل کی آواز لگتی ہے۔ پھر غمِ جاناں ہوں یا غمِ دوراں، جیسی کیفیات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اور اسکی روح تک بھی داد، دیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

مرے دل میں تری یادوں کے سوا
کچھ نہیں جانِ وفا کچھ بھی نہیں

اس بے وفا کے سامنے آنے کی دیر تھی
یعنی، ہمارے جان سے جانے کی دیر تھی

غیر متزلزل ارادہ اور استقلال یونسؔ فریدی کی غزل میں جابجا نظر آتا ہے۔ کٹھن حالات میں بھی فریدی صاحب امید اور استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ مضبوط ارادے کے بل بوتے پر مشکل حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے زندگی کے نامساعد حالات سے انہوں نے ہار نہیں مانی بلکہ شکست کھانا انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ وہ ایک مضبوط ارادہ لیے زندگی کی جانب رواں دواں دکھائی دیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

سب نے دیکھا اس میں کتنا حوصلہ ہے
غم کو اکثر ہنس کے یونسؔ ٹالتا ہے

رہنا پڑا تھا نفرتوں کے اس غبار میں
جب میرے سامنے نہ کوئی راستہ رہا

کیوں نہ رستے وہ اختیار کریں
منزلوں سے جو ہمکنار کریں

درد والم اور ملال کی کیفیت نے یونس فریدی کو لاچار کر دیا ہے۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ فریدی صاحب دوسروں کے درد وغم کو بھی اپنی ذات سے منسلک سمجھتے ہیں۔ اسی لیے لوگوں کو در پیش کرب والم بھی ان کے کلام کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ لوگوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ یہ شراکت اس قدر جان دار ہے کہ انہیں کبھی کبھار ذاتی غم کی پرواہ بھی نہیں ہوتی اور دوسروں کے درد وغم میں بہنے لگتے ہیں۔ سفید پوشوں کی سفید پوشی، بیٹیوں کے ہاتھوں میں رنگِ حنا کھلے کا انتظار، بھوک وعسرت سے نڈھال لوگوں سے ہمدردی اور امیرِ شہر کی بے حسی، جیسے مضامین ان کے کلام میں ہمیں ان کی لوگوں سے ہمدردی کا پتہ دیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم سے پوچھو سفید پوشی کا
کیسے رکھتے ہیں اب بھرم، ہم لوگ

ہاتھ پر بیٹیوں کے اے مولا
کب کھلے رنگِ حنا سوچتے ہیں

بھوک، عُسرت ملی ہمیں ظالم
اِس ترے دورِ حکمرانی میں

ایک اور جگہ دیکھیے، مفلس کی بے بسی کو بیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہر بھر کے حاکموں نے بڑی بڑی فضیلت والی دستاریں پہن رکھی ہیں مگر مفلس کے لاشے کو کفن بھی نصیب نہیں:

دستار فضیلت تو نہیں، شہر کے حاکم!
لاشہ کسی مفلس کا کفن مانگ رہا ہے

یوں لگتا ہے یونس فریدی اپنے اردگرد کے ماحول سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ایسا ماحول جو کٹھن ہے اور جس میں سانس لینا بھی دشوار ہے۔ اس نا امیدی اور مایوسی کے ماحول میں کہیں کہیں خدا سے گلہ کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

ہواؤں میں یہ آخر تلخیاں کب تک رہیں گی؟
پرندوں پر خدایا! سختیاں کب تک رہیں گی؟
ہمیں ڈستے رہیں گے کب تلک یہ ناگ غربت کے
خدائے بحر و بر! مجبوریاں کب تک رہیں گی؟
خدایا! آ چکی ہے جن کے بالوں میں سفیدی
وہ یوں بیٹھی گھروں میں بیٹیاں کب تک رہیں گی؟

زندگی کی تلخ حقیقتوں اور ہیجان خیزیوں نے ان کو تھکا دیا ہے جس کے باعث وہ کبھی کبھی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہو بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ختم ہیجان کر دیا جائے
ہم پہ احسان کر دیا جائے

میرا جینا اگر نہیں بھاتا
مرنا آسان کر دیا جائے

ایک جانب اطمینان ہے تو دوسری طرف شکوہ و شکایت کا بازار گرم ہے یہ شکوہ کہیں زمانے سے اور کہیں احباب سے ہے۔ شکایت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں احتجاج کا رویہ بھی موجود ہے۔ اس احتجاج میں یونسؔ فریدی اپنے ہونے کا پتا دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اپنی اہمیت تمام کرانا چاہتے ہیں۔ گلے شکوے کی رَوا ایسے بہتی ہے کہ دشمن واحباب سبھی اس شکایت اور احتجاج کی زد میں آجاتے ہیں۔ حقیقتاً یہ گلہ اپنوں سے لے کر غیروں تک اور غیروں کا ذکر انھیں اپنوں تک لے جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ شکایت اور احتجاج اس قدر شدید ہوتا ہے کہ حاکمِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ملا لیتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے :

شِکوہ نہیں کسی سے
نالاں ہیں زندگی سے

عین اُس وقت بجلیاں ٹوٹیں
جب پرندے شجر پہ جا بیٹھے

ایک دشمن نیا بنا بیٹھے
آئنہ کیا اُسے دِکھا بیٹھے

یاس اور رجائیت کے احساسات شاعری میں دو مختلف سمتوں کا پتا دیتے ہیں لیکن بھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے نا امیدی کے صحرا سے امید کے چشمے پھوٹتے ہیں یہ اچھوتا وصف یونسؔ فریدی کی شاعری کا ہے۔ وہ اپنی پوری قوت وعزم سے نا امیدی کو پیچھے دھکیلتے ہیں اور اس کے ماحول سے ہی امید کی کرن پیدا کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے ان کے ہاں یاس ہی امید اور

رجائیت کے درکھوتی ہے۔اس امید کے پورے ماحول میں وہ محبوب سے بھی رجائیت کا اظہار کرتے ہیں اور بدگمان نہیں ہوتے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

چہرے پہ بے بسی ہے نہ رنج و ملال ہے
لٹنے کے باوجود بھی میرا یہ حال ہے

نفرت کے بیج بونے سے پہلے یہ سوچ لے!
بستی میں چاہتوں کا تو پہلے ہی کال ہے

مجبوریاں ہیں یونسؔ دونوں کی ایک جیسی
کیسے مگر بتائیں اک دوسرے کو ہم

یونسؔ فریدی کی دراصل اپنے اردگرد کے ماحول اور لوگوں کے رویوں پر گہری نظر ہے جس کے سبب وہ انسان کی بے حسی کا رونا روتے ہیں۔ وہ انسان جو خود کو تماش بین اور دوسروں کو تماشا بنا تا ہے۔فریدی صاحب ایسے منافقانہ ذہنیت کے حامل افراد سے دور رہنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ خواہش اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ راست گو ہیں جبکہ اہل زمانہ راست گوئی کو بغاوت کا نام دیتے ہیں۔لوگوں کی اس بے حسی اور بے قدری نے ان کی ذات میں ہچل پیدا کر دی ہے۔فریدی صاحب نام نہاد حق پرستوں اور حاکموں کے بہرے پن پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

شہر سارا بھی گر دہائی دے
بہرے حاکم کو کیا سنائی دے

گر یہ بستی ہے حق پرستوں کی
پھر تو حق ہر طرف دکھائی دے

ایک اور جگہ پر کہتے کہ حق پرست ہونا بھی کسی خطا سے کم نہیں کیونکہ اس کی پاداش میں سارے شہر کی مخالفت اور دشمنی مول لینا پڑتی ہے۔

جانے کیوں شہر سارا دشمن ہے
حق پرستی بھی کیا خطا ہے کوئی؟

پھر ساتھ ہی لوح وقلم کے وارثان کو بھی آڑھے ہاتھوں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کیسے حرمتِ لوح وقلم کے وارث ہیں؟ جو رات کو رات لکھنے سے ڈرتے ہیں۔لوح وقلم کی پاسبانی بہت مشکل کام ہے اس کی حرمت برقرار رکھنے میں سرخرو ہونے کے لیے ہاتھوں کی قربانی تک دینی پڑتی ہے۔تب جا کہ کہیں کوئی لوح وقلم کے وارث کہلانے کا حق دار بنتا ہے۔

حرمت لوح و قلم کے ہیں یہ وارث کیسے!
رات کو رات بھی لکھتے ہوئے ڈر جاتے ہیں

اُن سے تو جا کے پوچھو کیا ہے قلم کی حرمت
جو سُرخرو ہوئے تھے اپنے کٹا کے ہاتھ

جان کا احساس کرنا بھی یونسؔ فریدی کی غزل کا ایک اہم موضوع ہے جو ان کے اشعار میں پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے۔انسان کسی نہ کسی صورت زندگی کے کرب سے گزر رہا ہے۔یونسؔ فریدی کو اس کرب کا خوب ادراک ہے۔یہ احساس اور زندگی کی دیگر مشکلات و مصائب کا احساس کرنا بھی فریدی صاحب کا ایک اہم موضوع ہے۔فریدی صاحب زندگی میں

پیش آنے والے ان مسائل ومصائب کے بارے میں کہتے ہیں کہ زندگی کا ایک پل بھی ایسا نہیں کہ جو چین سے گزرا ہو۔ایسا لگتا ہے یہ زندگی موت سے پہلے ہی مار ڈالے گی۔

ایک پل بھی نہ چین سے گزرا
ایسی ہوتی ہے زندگانی کیا؟

ایسا لگتا ہے موت سے پہلے
مار ہی دے گی زندگی لوگو!

مزید فریدی صاحب زندگی کے متعلق کہتے ہیں کہ میں نے زندگی کو کچے گھروں میں سسکیاں لیتے اور آہ وزاری کرتے دیکھا ہے۔ جہاں ہر وقت زندگی کا استحصال کیا جاتا ہے۔

رو رہی تھی سسکیوں میں
زندگی کچے گھروں میں

زندگی کیا ہے کبھی پوچھ اس سے
وہ جو اک ''بخت جلی'' رہتی ہے

یونسؔ فریدی وطن سے محبت جیسے لطیف جذبے سے سرشار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مٹی جو ماں کی طرح محبت کرنے والی ہے۔اس کی محبت کا فرض سب پر ہوتا ہے۔اس کی حرمت وسالمیت کی خاطر سر کٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ ماں کی چادر کی حفاظت کے لیے سر کی قربانی کچھ زیادہ نہیں ہے۔فریدی صاحب کے نزدیک اگر اپنی دھرتی سے پیار نہیں تو کچھ بھی نہیں۔اگر اپنی دھرتی سے رشتہ بحال ہے تو سب کچھ ہے۔

اب لاکھ اڑا پھر تو ہواؤں کے جلو میں
تو کچھ بھی نہیں دھرتی سے گر پیار نہیں ہے

رشتہ رکھا بحال دھرتی سے
اور کیا ہم سے خاکسار کریں

فریدی صاحب مزید کہتے ہیں کہ راہ زن کے سپرد اگر قافلے کی راہنمائی کر دی جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ قافلہ لٹنے سے بچ جائے۔یعنی اگر ہم جانتے بوجتے ہوئے اپنا راہبر کسی راہ زن کو بنا لیں تو بربادی پکی ہے۔اور پھر پہریدار اپنا فرضا گر ایمانداری سے نبھائیں تو بھی دھرتی اور اس کے باسی لٹنے سے بچ جائیں۔

ایک رَہ زَن کی رَہنُمائی میں
کیسے لٹتا نہ قافلہ، لوگو!

ہم پہنچ جائیں گے لٹیروں تک
گر تعاون یہ پہرے دار کریں

یونسؔ فریدی کے کلام میں ہمیں ہر قسم کے استحصال سے نفرت کا اظہار ملتا ہے۔فریدی صاحب جا بجا اس بات کا برملا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ایک شاعر بہت حساس طبیعت کا مالک ہوتے ہے۔اس کی مشاہدے کی قوت عام لوگوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے ۔وہ معاشرے میں رونما ہونے والے والے مسائل پر گہری نظر رکھتا ہے اور جو دیکھتا ہے اسے اپنے انداز سے بیان کرنے کی سعی کرتا ہے۔یونسؔ فریدی کی بھی سماج پر گہری نظر ہے۔وہ کہتے ہیں

کہ میں نے غریبوں کے بھوک سے مرتے ہوئے بچوں کی آنکھوں میں بہت سے خوابوں کو دم توڑتے دیکھا ہے۔

بھوک سے مرتے ہوئے بچوں کی آنکھیں دیکھو
ان میں مرتے ہوئے دیکھے ہیں اُجالے میں نے

فریدی صاحب خود بھی استحصال سے نفرت کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ستحصال سے نفرت کا درس دیتے ہیں۔ظلم سہنے کی بجائے ظلم کے خلاف آوازِ بلند کرنے پر زور دیتے ہیں ۔کہتے ہیں کہ امیرِ شہر کے ظلم وستم پر ہم کیوں نہ احتجاج کریں؟ امیرِ شہر ہے خدا تھوڑی ہے۔جو اس کے آگے احتجاج نہ کیا جا سکے۔

ستم پہ اُس کے بھلا کیوں نہ احتجاج کریں
امیر شہر ہے یارو کوئی خدا تو نہیں

یونسؔ ایک خوددار،حق گو اور بے باک انسان ہیں اور یہی خصوصیات ان کے کلام میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ان کی خودداری کہیں کہیں ''انا پرستی'' اور ''نرگسیت پسندی'' سے جا ملتی ہے۔اپنے دور میں انہیں وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی،جس کے وہ اصل میں مستحق ہیں۔ان کی زندگی کشمکش، آزمائش اور اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے، اس کے باوجود ان کی شاعری میں زندگی سے فرار، مایوسی اور پست ہمتی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔زندگی کے ہر مرحلے کو طے کرنے کی ان میں بڑی جرأت ہے۔میرا خیال ہے شاید اسی وجہ سے ان کے کلام میں مایوسی،قنوطیت اور حرماں نصیبی نہیں پائی جاتی۔

منصبِ فقر کی طلب ہے اگر
ہم فقیروں سے مت کنارا کر!

اُس کو دنیا سلام کرتی ہے
ہم فقیروں میں جو بھی آ بیٹھے

بادشاہوں کے دل میں چبھتا ہے
ہم فقیروں سے رابطہ اُس کا

سب نے دیکھا کہ وہ مشہور ہوئے ہیں کتنے
ہم فقیروں سے رَہ و رَسم بڑھانے والے

اردو شاعری میں میر تقی میرؔ کو بہت بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ان کے بغیر اردو غزل کی تاریخ کا مکمل ہونا ناممکن ہے۔ یونسؔ فریدی اپنے کلام میں میرؔ کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے کلام میں اگر رنگِ میرؔ ہوتا تو شاعری خوں رلاتی۔

اک بھی مصرعے میں رنگ میرؔ نہیں
خوں رُلاتی یہ شاعری، ورنہ

کلامِ یونسؔ فریدی کو پڑھنے سے کہیں کہیں یونسؔ فریدی میرؔ کے رنگ میں شعر کہتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ہوئی ہے جس کے سبب شہر شہر رُسوائی
کمال یہ ہے کہ اُس شخص کو پتا ہی نہیں

پیار کا یہ راستہ ہے، سوچ لے!
ہر قدم پر حادثہ ہے، سوچ لے!

یونسؔ فریدی کی شاعری میں جہاں موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے۔ وہیں ان کی شاعری فنی اعتبار سے بھی کافی متنوع ہے۔ان کے کلام میں منفرد ردیف، انوکھی اور نادر تشبیہات و استعارات، معروف ضرب المثال، بولتے قافیے، عمدہ محاورات، صنائع بدائع اور ثقافتی تلمیحات کا بھرپور انداز سے استعمال دکھائی دیتا ہے۔انہوں نے اپنے کلام کو مزید بنانے سنوارنے اور خوبصورت بنانے کے لئے متعدد فنی والے استعمال کر کے اپنی قادرالکلامی کا عمدہ ثبوت پیش کیا ہے۔

یونسؔ فریدی کے کلام میں جہاں عمیق و دقیق لفظیات سے گزر نظر آتا ہے وہیں مشکل تلمیحات کا استعمال بھی نہیں ملتا۔تلمیحات ادب کی جان ہیں۔خواہ نثر میں ہوں،غزل میں ہوں یا نظم میں، ان معنیٰ خیز اشاروں سے ادیب و شاعر اپنے کلام میں بلاغت کی روح پھونکتے ہیں۔شاعر اپنے شعر میں جب کسی مشہور قصے یا واقعہ کی طرف اشارہ کرے اسے تلمیح کہا جاتا ہے (۳) شعراء اپنے کلام میں تلمیحات کا استعمال بخوبی کرتے ہیں جس سے ان کی علمی و ادبی مہارت کے ساتھ تاریخی واقعات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جہاں دیگر شعراء نے اس ضمن میں طبع آزمائی کی وہاں یونسؔ فریدی کے کلام میں بھی تلمیحات استعمال بڑی خوبصورتی سے ملتا ہیں۔ یہ اشعار ان کی اس مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

پہلے کہتے تو لوٹ بھی آتے
اب تو ہم کشتیاں جلا بیٹھے

یہ تجھے خضر کی تلاش ہے کیوں
چاہیے عمرِ جاودانی کیا؟

کیا کریں عیسٰی نَفَس بھی
ہر طرف بیمار چہرے

حق کا علم تو بے شک تھام
سوچ اپنی منصوری کر!

یونسؔ فریدی کے کلام میں منفرد انداز میں تشبیہات کا استعمال نظر آتا۔ ویسے تو ہر شاعر کے ہاں اپنے اپنے انداز میں تشبیہات کا استعمال ملتا ہے۔لیکن فریدی صاحب کے ہاں انفرادیت کا عنصر نمایاں ہے۔ ''تشبیہ کا تعلق علم بیان کے حوالے سے دو اشیاء میں مشابہت سے ہے۔تشبیہ میں کسی چیز کو ایک یا ایک سے زیادہ مشترک خصوصیات کی بناء پر دوسری کے مانند قرار دیا جاتا ہے۔ تمثیل تعقل استعارہ ایج اور شعری علامت جیسی عمیق صورتیں تشبیہ کی ترقی یافت شکلیں ہیں'' (۴)۔

اُسے میں چاند کہوں بھی تو کس طرح یارو!
جو تیرگی میرے گھر کی مٹا نہیں سکتا

یہ چاند بھی نکلے تو تیری شکل بنائے
دل ہے کہ کسی طور سنبھلتا ہی نہیں ہے

وہ تو دھڑکن کی طرح دل میں بسا رہتا ہے
یہ الگ بات کہ وہ مجھ سے خفا رہتا ہے

''استعارہ کے معنی ادھار لینا کے ہیں اور علم بیان کی اصطلاح ہے۔کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ ہے۔لفظ کو مجازی معنوں میں ایسے استعمال میں لانا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو اسے استعارہ کہا جاتا ہے''(۵)۔یونسؔ فریدی کے ہاں منفرد تشبیہات کے ساتھ ساتھ استعارات کا بھی استعمال ملتا ہے۔لیکن استعارات کا استعمال بہت کم ہے۔فریدی صاحب استعاراتی دنیا میں رہنے کی بجائے حقیقی دنیا میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں شائد اسی باعث ان کے ہاں استعارات کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم بھی دیکھیں یہ چاند دھرتی کا
رُخ سے زلفیں ذرا ہٹانا تم!

یونسؔ فریدی نے اپنے کلام میں مختلف صنعتوں استعمال بھی بخوبی کیا ہے۔صنعتوں کا یہ استعمال ان کے فن کو مزید نکھارتا ہے۔ان کے کلام میں صنعتِ تضاد کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔صنعتِ تضاد کو صنعت تقابل بھی کہا جاتا ہے۔صنعت تضاد شاعری میں اس صنعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک شعر میں دو یا دو سے زائد متضاد الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو مثلاً اندھیرا اور اجالا زمین اور آسمان وغیرہ(۶) یونسؔ فریدی کی غزل میں صنعت تضاد کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

کچھ دنوں سے یہ حال ہے پیارے!
جینا مرنا محال ہے پیارے!

یوں ہی دن رات سلگنے کی ضرورت کیا تھی
اتنا آسان اگر دل کا لگانا ہوتا

امیر شہر کو سمجھائے کون یہ جا کر
غریب شہر سے اُس کا مقابلہ کیا ہے؟

سنورنا چاہیے تھا
بگڑتا جا رہا ہوں

الفاظ اور حروف کی تکرار، عام اس سے کہ وہ شعر کے ایک ہی مصرعے میں ہوں یا دونوں میں، عموماً قبیح سمجھی جاتی ہے۔ بعض موقعوں پر تکرار الفاظ حسین بھی ہوتی ہے (۷)۔ یونس فریدی کے کلام میں الفاظ کے تکرار سے ایک کیف اور نغمگی کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں لفظوں کے تکرار سے بھی ایک انوکھا صوتی آہنگ پیدا کر دکھایا ہے۔ ذیل میں چند اشعار فریدی صاحب کے کلام میں صنعتِ تکرارِ لفظی کا آئینہ دار ہیں:

ڈوبی ڈوبی ہیں وقت کی نبضیں
لمحہ لمحہ نڈھال ہے پیارے!

یوں دیکھنا مجھے جیسے کبھی نہ دیکھا ہو
گھڑی گھڑی تجھے آخر یہ سوجھتا کیا ہے؟

وہی ہے چہرہ، وہی چال ہے، وہی آنکھیں
پکار لے دل مضطر تو دیکھتا کیا ہے؟

گر گیا ہے وہ اپنی نظروں سے
ہم کو رُسوا جگہ جگہ کر کے

لف یعنی لپیٹنا اور نشر یعنی کھولنا اور ظاہر کرنا۔لف سے مراد کہ چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور نشر کا معنی یہ ہے کہ ان چیزوں کے مناسبات کو بغیر تعین کے بیان کیا جائے۔لف ونشر مرتب ،لف ونشر غیر مرتب اور لف ونشر معکوس الترتیب اس کی تین اقسام ہیں (۸) یونس فریدی اشعار میں یہ صنعت بہت خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں:

پہلے خوش بُو سنگ ریزوں میں ڈھلی
پھر اچانک پھول پتھر ہو گیا

شکستگی جو مرے بام و در کے اندر ہے
علاج اُس کا کہاں سیم و زر کے اندر ہے

حسن تعلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی امر کے لئے ایسی وجہ بیان کی جائے جو درحقیقت اس کی وجہ نہ ہو۔حقیقی وجہ کچھ اور ہو یا وجہ معلوم ہی نہ ہو (۹) یونس فریدی نے بھی اپنے کلام میں اس صنعت کا بخوبی استعمال کیا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں حسن تعلیل کے نمونے دیکھئے۔

صحن چمن میں بڑھتی رہی پھر بھی تیرگی
بامِ فلک سے چاند اُترنے کے بعد بھی

چاند ، جگنو نہ ستارا ہی کوئی بھائے اُسے
جب سے آیا ہے وہ سورج سے ملا کر آنکھیں

یہ چاند بھی نکلے تو تیری شکل بنائے
دل ہے کہ کسی طور سنبھلتا ہی نہیں ہے

اُس کے ہونٹوں کو چومنے کے لیے
لفظ نکلے کتاب سے باہر

فریدی صاحب کے کلام فکری وفنی دونوں اعتبار سے بناوٹ اور تصنع سے پاک ہے۔ان کے کلام میں روانی،سادگی،سلاست،مترنم بحروں کا استعمال،غیر مانوس اور دقیق لفظیات کی بجائے سادہ اور پُر اثر لفظیات،دقیق تراکیب کی بجائے سادہ اور خوبصورت تراکیب،تلمحات،تشبیہات واستعارات کا برمحل استعمال،استفہامیہ لہجہ،صنائع بدائع کا استعمال اور دیگر فنی خصوصیات ان کے کلام میں اثر آفرینی پیدا کر دیتے ہیں۔ان کا سہلِ ممتنع میں شعر کہنا قارئین وسامعین کے دل کو موہ لیتا ہے۔کیا خوب کہا ہے علامہ محمد اقبال نے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

حسرتؔ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہتے ہیں:

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

یونسؔ فریدی کے کلام میں یہ خاصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کا کلام دل سے نکل کر دل اُتر جاتا ہے اور گھر کر لیتا ہے۔ان کے لب و لہجے میں بے ساختگی، بلند و بالا آہنگ، اندازِ بیاں اور شائستگی انہیں سامعین وقارئین کے دلوں کے اور قریب تر لے آتی ہے۔یہ سب چیزیں

ان کے ایک کہنہ مشق شاعر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یونسؔ فریدی چھوٹی بحر میں بکثرت شعر کہتے ہیں۔فریدی صاحب چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑی بڑی باتیں بآسانی کہہ جاتے ہیں۔چھوٹی بحر میں بڑی بات کہہ جانا یا ایسی بات کہنا جس کے معنی بظاہر سادہ ہوں لیکن غور کرنے پر زیادہ وسعت نظر آئے، کو سہل ممتنع کہتے ہیں۔ گہری اور بھرپور بات مختصر الفاظ میں کہنا بہت مشکل کام ہے اور یہ ماہرینِ فن ہی کر سکتے ہیں۔ یونسؔ فریدی کے ہاں سادگی اور سلاست کا عنصر کافی زیادہ ہے- سہل ممتنع ان کا خاص فن ہے- سادہ اور چھوٹے سے شعر میں بڑی بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔ذیل میں چند اشعار فریدی صاحب کے کلام میں سہل ممتنع کے آئینہ دار ہیں:

مجھے وہ آزمانا چاہتا ہے
یا بالکل ہی بھلانا چاہتا ہے

ہم نے دیکھی ہے یہ خطا کر کے
کچھ بھی ملتا نہیں وفا کر کے

بظاہر تو ترا لہجہ وہی ہے
مگر وہ چاشنی بالکل نہیں ہے

بسر تو تیرے بن بھی ہو رہی ہے
مگر یہ زندگی بالکل نہیں ہے

ڈاکٹر رحمت علی شاد اپنے ایک مضمون میں یونسؔ فریدی کو سہلِ ممتنع کا بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

''پاکپتن کی شعری روایت میں میں یونسؔ فریدی کا نام اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے۔ وہ ۴ اگست ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے اور ابھی بقیدِ حیات ہیں ۔ان کا کوئی شعری مجموعہ تا حال منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔ مگر ان جتنا بھی غیر مطبوعہ کلام ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ راقم کے خیال میں وہ سہلِ ممتنع کے بادشاہ ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مصروں میں بڑی بڑی باتیں کہنا کوئی ان سے سیکھے۔ ان کی شاعری بہت سے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے''۔(۱۰)

بہت سے دوسرے شعراء کی طرح فریدی صاحب نے چھوٹی اور بڑی دونوں طرح کی بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن چھوٹی بحر بالخصوص بحرِ خفیف ''فاعلاتن مفاعلن فعلن'' ان کے مزاج میں سرائیت کر گئی ہے اور غیر شعوری طور پر اسی بحر میں بکثرت شعر کہتے ہیں۔ اشعار نمونے کے طور پر:

واہمہ تھا، نہ خواب تھا کوئی
آپ کا ہم رکاب تھا کوئی

فیصلہ ہجر کا سنا کے مجھے
خوب رویا گلے لگا کے مجھے

تجزیہ آپ کا بجا ہی سہی
لوگ اچھے ہیں، میں برا ہی سہی

کب مرا احترام کرتے ہیں
احتیاطاً سلام کرتے ہیں

جن کے دیوار و در نہیں ہوتے
کون کہتا ہے گھر نہیں ہوتے

نوید عاجزؔ یونس فریدی کے کلام کے متعلق کہتے ہیں کہ:

''یونسؔ فریدی اردو غزل کی کلاسیکی روایت کی پاسداری کے امین ہیں۔انھوں نے کسی مخصوص نظریے میں خود کو محصور کیے بغیر زندگی کے متنوع رنگوں سے اپنی غزل کا مرقع تیار کیا ہے۔وہ زندگی کے تلخ حقائق کو خبر نامہ نہیں بننے دیتے۔ بلکہ رواں اور لطیف انداز میں مسئلے کو اجاگر کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کا اسلوب سادہ اور دلکش ہے۔یونسؔ فریدی اور چھوٹی بحر لازم وملزوم ہیں۔ان کا بیشتر کلام سہلِ ممتنع کی صورت میں ہے۔انھوں نے مختصر مصروں سے ادائے مطلب کی نت نئی راہیں استوار کی ہیں جو ان کی شعری مہارت پر دلیل ہے۔''(۱۱)

ایوب اختر یونسؔ فریدی کے معاصرین میں سے ہیں۔وہ یونسؔ فریدی کو پاک پتن کے ادبی افق کا ایک روشن ستارہ گردانتے ہیں۔یونس فریدی کے بارے میں اپنی رائے یوں دیتے ہیں:

''چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں بڑی بڑی اور بامقصد باتیں خاص مہارت کے ساتھ کہنا۔۔۔یونس فریدی صاحب کا وصف ہے۔یونس

فریدی انسانی فطرت اور معاشی ناہمواریوں کو موضوعِ سُخن بنا کر ایسے تیکھے اشعار تخلیق کرتا ہے جنہیں سن کر ارباب بست وکشاد اور ادبی کینہ پروروں کے دل لرز جاتے ہیں اور روح گھائل ہو جاتی ہے۔ جملہ شعراء کرام تقریباً سبھی بحور میں طبع آزمائی کرتے ہیں مگر اک تسلسل کے ساتھ مختصر بحور میں با مقصد اشعار تخلیق کرنا یونس فریدی کا خاصہ ہے۔ یونس فریدی کی انہی ادبی اور فنی صلاحیتوں کی بناء پر سطحی صلاحیتوں کے حامل اشخاص ان سے ادبی مخاصمت رکھتے ہیں اور ویسے بھی حسد ایک مرضِ ناگہاں ہے۔۔۔ جو ہر بخیل، بدطینت، تنگ نظر اور کج فہم کو لاحق ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ تنگ دلی، بخل اور اخلاقی پستی پر مبنی رویے ہی سخن ور کو اونچی سطح پر اڑنے کی تحریک دیتا ہے۔ یونس فریدی ایک صاحبِ طرز سخن ور ہی نہیں بلکہ اچھوتے خیالات اور سچے جذبات رکھنے والا ایک حقیقت پسند اور کھرا انسان ہے۔ یونس فریدی بحیثیت سخن ور ایک حساس اور باریک بین کلاکار ہے ان کی تخلیقات پر بہت سا کام ہو رہا ہے۔ یونس فریدی شہرِ بابا فریدؒ کا گراں قدر ادبی سرمایہ ہے۔ اللہ پاک انہیں صحت وسلامتی عطا فرمائے اور جہانِ علم وفن میں کامیابیاں وکامرانیاں عطا کرے۔ آمین'' (۱۲)

یونسؔ فریدی کی غزل کا فنی جائزہ اس بات کا غماز ہے کہ ان کی شاعری فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ فنی طور پر بھی پختہ ہے۔ انہوں نے جس شعری صنعت کا استعمال کیا وہ بوجھل محسوس نہیں ہوئی بلکہ غزل کے معیار میں اضافہ ہوا۔ فریدی صاحب کا فن ان کی تخلیق میں نمایاں ہے اور فن اور فکر کہیں بھی آپس میں ٹکراتے نہیں بلکہ باہم مربوط ہو کر ساتھ چلتے ہیں یہی ان کی شاعری کا افتخار ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر۔''اصنافِ ادب''۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز۔۲۰۱۲ء۔ص ۳۱

۲۔رحمت علی شاد،ڈاکٹر۔''یونس فریدی کی اردو غزل کے انفرادی خدوخال''۔غیر مطبوعہ مضمون۔مرقومہ ۲۹نومبر۲۰۲۰ء

۳۔سید عابد علی عابد۔''البدیع''۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز۔۲۰۱۵ء ص۲۳۴

۴۔پروفیسر انور جمال۔''ادبی اصطلات''اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن۔۲۰۱۴ء ص۲۷

۵۔ایضاً،ص۳۷۔

۶۔محمد عارف۔''مزاحیہ غزل کے خدوخال''۔اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن۔۲۰۱۵ء۔ص۸۷

۷۔سید عابد علی عابد۔''البدیع''۔ ص۱۰۱

۸۔ایضاً۔ص۲۱۰

۹۔ایضاً۔ص۲۱۸

۱۰۔رحمت علی شاؔد،ڈاکٹر۔''شہرِ فرید میں اردو غزل کی روایت''مشمولہ''الماس''(تحقیقی مجلّہ)۔خیر پور سندھ:شاہ عبدالطیف یونیورسٹی۔شمارہ۱۵۔ ۱۴-۲۰۱۳ء۔ ص۹۰

۱۱۔نوید عاجز(پاکپتن کے نوجوان شاعر)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔ذریعہ:ٹیلی فون۔۲۱جولائی۲۰۲۱ء۔

۱۲۔ایوب اختر۔(پاکپتن کے معروف شاعر)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔ذریعہ:ٹیلی فون۔۲۱جولائی۲۰۲۱ء۔

دیوانِ یونس فریدی

حمد و نعت

صد شکر سوچ میری بھی تبدیل کچھ ہوئی
صد شکر میرے دل کو بھی ارمانِ نعت ہے

حمد

وہ ہے قادر، نہیں ہے اس میں کلام
اُس کے محتاج سب خواص و عوام

وہ سجھائے کمال کی جہتیں
ہے نا! انسان ہر لحاظ سے خام

جا رہا ہے ہر ایک مر کر بھی
باندھ کر جسم پر سفید احرام

ڈھانپ لے گی گناہ گاروں کو
رحمتِ ذوالجلال والا کرام

اے خدائے کریم! یونسؔ پر
رہے قائم سدا ترا انعام

نعت

منبعِ جود و سخا ہے، اُنؐ کی ذات
بے نواؤں کی نوا ہے اُنؐ کی ذات

اُنؐ کی آمد پر ہوا حق کا ظہور
مظہرِ نورِ خدا ہے اُنؐ کی ذات

امتوں میں اُنؐ کی امت ذی وقار
تاج دار انبیا ہے اُنؐ کی ذات

دیدہ ور ہو، آزما کر دیکھ لو!
آج بھی جلوہ نما ہے اُنؐ کی ذات

کیا کرے یونسؔ کوئی اُنؐ کی ثناء
عقل سے بھی ماورا ہے اُنؐ کی ذات

آمدِ خیرالوریٰ، صد مرحبا خود خدا محو ثناء، صد مرحبا
نعت گوئی میں ہمارے مقتدی طائران خوش نوا، صد مرحبا
جن وانساں وجد میں ہیں اک طرف اک طرف ارض و سما، صد مرحبا
ہے فرشتوں کی زباں پر آج بھی
مرحبا صلی علی، صد مرحبا

اگر درپیش کوئی مسئلہ ہو نظر سوئے درِ خیرالوریٰؐ ہو
اجل بھی رشک سے دیکھے گی مجھ کو زباں پر اُس گھڑی یا مصطفیٰؐ ہو
ملے اِذنِ زیارت، اور پھر وفور شوق میں دل جھومتا ہو
چلوں میں سر کے بل، بہرِ زیارت
نبیؐ کے شہر کا وہ راستہ ہو

میلاد مصطفیٰؐ ہے محوِ ثناء خدا ہے
چشمِ کرم اِدھر بھی منگتا ترا کھڑا ہے
خاکِ درِ نبیؐ ہی ہر درد کی دوا ہے
ٹل جائیں یہ بلائیں زہرہؑ کا واسطہ ہے
ٹھوکر میں اس کی شاہی
اُس دَر کا جو گدا ہے

کرم کی بات ہے کہی اک نعت ہے
سند ہے بالیقیں جو اُنؐ کی بات سے
غلامِ مصطفیٰؐ ہوں مری کیا بات ہے
نبیؐ گر ساتھ ہو خدا بھی سات ہے
ہماری لاج تو
تمھارے ہات ہے

مجھ سے گناہ گار پہ احسانِ نعت ہے
چہرے پہ تازگی ہے، یہ فیضانِ نعت ہے
صد شکر سوچ میری بھی تبدیل کچھ ہوئی
صد شکر میرے دل کو بھی ارمانِ نعت ہے
مقبول ہو رہی ہے بڑی دھج سے صنف نعت
''ہر شعبہءِ حیات میں اِمکانِ نعت ہے''
امت پہ ہے کرم مرے آقاؐ کریم کا
صد شکر نسلِ نو میں بھی رُجحانِ نعت ہے
صد شکر میں بھی حُب نبیؐ سے ہوں سرفراز
سرکار کی عطا ہے یہ فیضانِ نعت ہے

اک نعت کہی ہے ہر بات بنی ہے
ہیں کتنے پیمبر کون ان سا غنی ہے
جنت سے بھی بڑھ کر آقاؐ کی گلی ہے
ہر نعت یقیناً آقاؐ نے سنی ہے
کیا بات ہے اُنؐ کی ہر بات بھلی ہے
ہیں نورِ مُجسّم حق بات یہی ہے
منہ چھوٹا ہے یونسؔ
پر بات بڑی ہے

کیوں نہ ذکر رسول ہو جائے برکتوں کا نزول ہو جائے
دل میں ہے یاد نبی کی، ورنہ زندہ رہنا فضول ہو جائے
کیسے ممکن ہے آپ کا مانی رنج و غم سے ملُول ہو جائے
بے قراری ہے آج جوبن پر
آج نعتِ رسولؐ ہو جائے

روشنی حق کی زمانے کو دکھانے کے لیے
ان کی آمد تھی جہالت کو مٹانے کے لیے

دل یہ کہتا ہے سرِ حشر وہؐ آئیں گے ضرور
ہم کو احساسِ ندامت سے بچانے کے لیے
دیکھیے اُنؐ کا کرم ہم سے خطا کاروں پر
ہم بھی آئے ہیں یہاں نعت سنانے کے لیے
مال و زر چیز ہی کیا ہے کوئی مانگے تو سہی
جان حاضر ہے مری اُنؐ کے گھرانے کے لیے
ان کا کردار زمانوں کے لیے مشعلِ راہ
''اُن کا دستور ہے ہر ایک زمانے کے لیے''
اسم احمدؐ کا وظیفہ ہی ہے کافی، یونسؔ
بات بگڑی ہوئی ہر ایک بنانے کے لیے

❖❖❖❖❖❖❖

غزلیات

زندہ رکھی ہے ترے پیار کی خوشبو ایسے
اپنے شعروں میں دیے تیرے حوالے میں نے
کیوں نہ ہر لفظ پہ آنکھوں سے یہ ٹپکیں آنسو
جس قدر درد ملے شعر میں ڈھالے میں نے

اپنی ذات کے اندر آ! خواب نگر سے باہر آ!
شیش محل میں کس نے کہا ہاتھ میں لے کر پتھر آ!
دیکھ کے صحرا نے یہ کہا آنکھ میں بھر کے ساگر آ!
تجھ سے مسخر دل نہ ہو گا لاکھ تو بن کے سکندر آ!
ہنس کے کہا درویش نے یہ
غم کی آگ میں جل کر آ!

یوں تو کہنے کو فقط صبح کا تارا ڈوبا
ہاں، مگر رات کے راہی کا سہارا ڈوبا
جس کی باتوں سے سدا پیار کی کرنیں پھوٹیں
اُس کی آنکھوں میں مری سوچ کا دھارا ڈوبا
میری قسمت بھی ہے روٹھی مرے ساجن کی طرح
میں جو منجدھار سے نکلا تو کنارا ڈوبا
آج پھر سُرخ گھٹاؤں کی ہے آمد آمد
آج پھر اور کوئی درد کا مارا ڈوبا
کیسا کہرام مچا ہے لبِ دریا یونسؔ
ایسا لگتا ہے کوئی جان سے پیارا ڈوبا

مل کر جو چلا جاتا کیا اس میں ترا جاتا
معیار سے اپنے تو کیوں کر ہے گرا جاتا
منزل نہ بھلے ملتی رستہ تو دیا جاتا
ہوتی ہے وہاں غیبت
میں کیسے بھلا جاتا

اب خونِ جگر دے کے یہ پالا نہیں جاتا
آ جا کہ ترا درد، سنبھالا نہیں جاتا
ہم جس کے سبب نقلِ مکانی پہ تلے ہیں
کیوں شخص وہ بستی سے نکالا نہیں جاتا
روتے ہو یہ بتلاؤ کہ تم ہجر میں کس کے
بے وجہ تو آنکھوں کا اُجالا نہیں جاتا
جیسا بھی ہو کردار کسی کا بھی یہاں پر
کیچڑ تو بہر حال اُچھالا نہیں جاتا
جس طرح سے اقرارِ وفا تم نے کیا ہے
اس طرح تو غیروں کو بھی ٹالا نہیں جاتا
اب خود ہی چکانا ہے ہمیں قرض وفا کا
یاروں کو مصیبت میں تو ڈالا نہیں جاتا

جاتا ہی نہیں ذہن سے پیکر یہ تمھارا
جب تک کہ کسی شعر میں ڈھالا نہیں جاتا

❁

صعوبتیں جو سفر کی اُٹھا نہیں سکتا
میں ہم سفر اُسے ہرگز بنا نہیں سکتا
اُسے میں چاند کہوں بھی تو کس طرح یارو!
جو تیرگی میرے گھر کی مٹا نہیں سکتا
اُلجھ گیا ہے وہ اپنے ہی جال میں ایسے
کہ ہاتھ پاؤں بھی اپنے ہلا نہیں سکتا
اُسے یہ زَعم کہ بستی میں معتبر ہے ابھی
نظر جو خود سے بھی یارو ملا نہیں سکتا
یہ کیسے وقت وہ آئے ہیں پوچھنے مجھ کو
کہ حالِ دل بھی میں اپنا سنا نہیں سکتا
تو لاکھ مجھ کو ستائے مگر خدا کی قسم
خیال دل سے تیرا پھر بھی جا نہیں سکتا
کچھ اس لیے بھی ہے نالاں یہ زندگی مجھ سے
میں ناز اس کے مسلسل اُٹھا نہیں سکتا
میں اُس مقام سے گزرا ہوں تیری خواہش میں
کہ جس مقام پہ کوئی بھی جا نہیں سکتا

مری بلا سے، مجھے کوئی کچھ کہے یونسؔ
میں خول چہرے پہ اپنے چڑھا نہیں سکتا

❁

فقیر تھا کہ گداگر، پتا نہیں چلتا
میں سوچتا ہوں برابر پتا نہیں چلتا
وہ داستاں جو ادھوری تھی اور سچی تھی
سنی تھی کس نے یہاں پر پتا نہیں چلتا
نہ جانے کون سا پہلو ہے تُو مروت کا
ترے قریب بھی رہ کر پتا نہیں چلتا
شکستگی مرے گھر کی تو آ رہی ہے نظر
کہاں سے آئے تھے پتھر پتا نہیں چلتا
وہ سن کے ذِکرِ وفا آج مجھ سے کہنے لگے
تمھاری بات کا اکثر پتا نہیں چلتا
کسی غریب کی فریاد ایسے عالم میں
سنے گا کون یہاں پر، پتا نہیں چلتا
کہاں سروں میں الاپوں میں رو رہا ہے کوئی
کہاں چھنکتی ہے جھانجھر پتا نہیں چلتا
بڑا طویل ہے رستہ کسی کے پنگھٹ کا
کہاں پہ ٹوٹی تھی گاگر پتا نہیں چلتا

کچھ تعلق جو ہواؤں سے بھی رکھا ہوتا
تو ہوادار یہ اپنا بھی گھروندا ہوتا

کب کہا اس نے کبھی اپنے یہاں رکنے کو
ہم تو رک جاتے اگر اس کا تقاضا ہوتا

نہ گلہ کوئی نہ شکوہ نہ شکایت ہوتی
اس کے دل میں جو کہیں میرا ٹھکانہ ہوتا

جس حوالے سے تجھے ہم نے ہے برسوں سوچا
اس حوالے سے کبھی تو نے بھی سوچا ہوتا

گھر کی بربادی پہ آتا جو تسلی دینے
میری بستی میں کوئی شخص تو ایسا ہوتا

ہم ترے در پہ محبت سے ہی دستک دیتے
تو نے اے کاش کبھی ہم کو پکارا ہوتا

لوٹ آتا وہ اندھیروں کے سفر سے یونسؔ
ذہن میں اس کے اگر گھر کا اجالا ہوتا

فیصلہ دل کی عدالت کا نہ مانا ہوتا
ہاں، اگر پیشِ نظر میرے زمانہ ہوتا

پوچھتے کس سے ہو تم خانہ بدوشوں کا پتا
ہم بتا دیتے اگر ایک ٹھکانہ ہوتا

یوں نہ جاتا وہ مرے شہر سے چوروں کی طرح
مل کے جاتا جو اُسے لوٹ کے آنا ہوتا

بے سبب مجھ سے اُلجھنے سے کہیں بہتر تھا
کچھ نہ کچھ ترکِ تعلق کا بہانہ ہوتا

یوں ہی دن رات سلگنے کی ضرورت کیا تھی
اتنا آسان اگر دل کا لگانا ہوتا

پوچھتا پھرتا نہ لوگوں سے وہ احوال مرا
اُس نے بالکل ہی اگر مجھ کو بھلانا ہوتا

دیکھ لے تجھ سے بچھڑ کر ہوں میں تنہا کیسا
تو جو ہوتا تو مرے ساتھ زمانہ ہوتا

کتنے دشوار ہیں ہستی کے مسائل یونسؔ
حاکمِ وقت نے اے کاش یہ جانا ہوتا

❁

اہل دل کا تُو پیشوا ہوتا
ہم فقیروں سے گر ملا ہوتا

کاش لیتا میں مصلحت سے کام
تجھ سے مل کر بھی نہ ملا ہوتا

ہم نہ بالفرض تیرا دم بھرتے
اے محبت بہت برا ہوتا

کیوں نہیں آیا سچ زباں پہ مری
مر ہی جاتا میں اور کیا ہوتا؟

مجھ سے بے شک اسے گلے تھے مگر وقت رخصت تو نہ خفا ہوتا

تجھ کو لگتا پرندہ زد میں ہے
ہر نشانہ ترا خطا ہوتا

❁

دل سے دل کا جو رابطہ ہوتا وہ بھی راتوں کو جاگتا ہوتا

وہ اگر صاحبِ وفا ہوتا میں پجاری وہ دیوتا ہوتا

ہم سفر اس کے چاند تارے تھے کیوں نہ روشن وہ راستہ ہوتا

میرے آنے کی گر خوشی ہوتی اس کا چہرہ کھلا کھلا ہوتا

اس کو درپیش مسئلہ ہے کوئی ورنہ اب تک وہ آچکا ہوتا

نظم ہوتا، نہ نظمِ ہستی میں بندہ بندہ اگر خدا ہوتا

خونِ دل سے نہ آبیاری کی نخل امید کیا ہرا ہوتا

کام لیتا، اگر تدبر سے اپنی نظروں سے نہ گرا ہوتا

غیر کے ساتھ دیکھ کر اس کو دکھ نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا

اے غمِ یار! شکریہ تیرا ورنہ اب تک میں مر گیا ہوتا

کیوں نہ رہتا میں بن سنور کے بہت اس کا چہرہ جو آئینہ ہوتا

دامِ زلفِ دراز کا قیدی مر ہی جاتا اگر رہا ہوتا

بزم حسن و جمال تھی یونسؔ
تذکرہ کیوں نہ آپ کا ہوتا

دنیا کے جھمیلوں میں جو الجھا نہیں رہتا
اک شخص بھی اب شہر میں ایسا نہیں رہتا

اک تو ہی نہیں مجھ سے بدلتا ہے نگاہیں
منظر بھی ترے گاؤں کا ویسا نہیں رہتا

یہ کیسی محبت ہے، کوئی اس سے تو پوچھے
جب غیر سے ملتا ہے تو میرا نہیں رہتا

اس وقت ہی آتا ہے منانے مجھے ظالم
جب اس کے علاوہ کوئی چارا نہیں رہتا

بے دخل نہ کر دے کوئی ہم کو بھی گھروں سے
ہم خانہ بدوشوں کو یہ خدشہ نہیں رہتا

یادوں کا ہجوم اب مرے ہمراہ ہے یونسؔ
صد شکر کسی وقت میں تنہا نہیں رہتا

ڈھارس تو بندھا دیتا پھر جو بھی سزا دیتا
رکنا تھا، کہاں میں نے پر وہ تو صدا دیتا

بے زر تھا، بتا تجھ کو کیا دل کے سوا دیتا
منزل نہ بھلے ملتی رستہ تو بتا دیتا

دل اپنے گناہوں کی کیوں مجھ کو سزا دیتا

پتھر نہ مجھے کہتا
رستے سے ہٹا دیتا

❁

دل پہ جب اختیار ہوتا تھا
شہر میں کچھ وقار ہوتا تھا

کیا ہوا! کیوں نظر نہیں آتا
وہ جو آپس میں پیار ہوتا تھا

کس نے ڈالا خزاں کی جھولی میں
وہ جو وقفِ بہار ہوتا تھا

وہ بھی دن تھے کہ چاہتوں کا حصول
باعثِ افتخار ہوتا تھا

یہ بھی سوچو کہ کیا ہوا اس کو
وہ جو یاروں کا یار ہوتا تھا

❁

بار ہا پرکھا گیا تھا
تب مجھے چاہا گیا تھا

کیوں نہیں بھٹکا بھلا میں!
اب کے میں تنہا گیا تھا

یاد تھا اک اسمِ اعظم
ورنہ میں مارا گیا تھا

گو نہیں تھا پارسا میں
پارسا سمجھا گیا تھا

آ گیا وہ خضر بن کر
پوچھنے رستہ گیا تھا

ایک قطرہ بھی نہ پایا
مانگنے دریا گیا تھا

واہمہ تھا جس کے بارے
عمر بھر سوچا گیا تھا

جنگ تھی تیرہ شبی سے
جاں سے اک تارا گیا تھا

جب نہ اپنا بھی رہا میں
پھر مجھے ڈھونڈا گیا تھا

کون تھا اس پار یارو!
جس طرف دھارا گیا تھا

گھر جس سے معتبر تھا بوڑھا سا اک شجر تھا
رستہ تو مختصر تھا دشوار کس قدر تھا
ہم راہ چلنے والا کب میرا ہم سفر تھا
کاسہ لیے ہے پھرتا کل تک جو تاج ور تھا
کچھ تو صفائی دیتا
سچا ہی وہ اگر تھا

بظاہر تو یہیں تھا حقیقت میں نہیں تھا
ستم گر بھی تھا اتنا وہ جتنا دل نشیں تھا
خفا پہلے بھی تھا وہ مگر اتنا نہیں تھا
یہ کیا ٹوٹی قیامت کہیں وہ، میں کہیں تھا
اسے آنا تھا یونسؔ
مجھے پختہ یقیں تھا

تمھارا ہمنوا ہے، شہر سارا ہمیں کب مانتا ہے شہر سارا
چھپاتا ہے یہاں ہر شخص چہرہ کہ جیسے آئنہ ہے شہر سارا
اُلجھتا بھی ہے یہ اہلِ وفا سے وفا بھی مانگتا ہے شہر سارا

چلا تھا میں جہاں سے پھر وہیں ہوں عجب اک دائرہ ہے شہر سارا
چلے ہو رُوٹھ کر لیکن یہ سوچو یہی تو چاہتا ہے شہر سارا
سنا ہے ، تھا کوئی سچ کا پجاری جسے اب ڈھونڈتا ہے شہر سارا

نہیں آتی ہمیں تو نیند یونسؔ
مگر کیوں جاگتا ہے شہر سارا

❁

مقامِ شوق ہے خود کو بدل کے دیکھ ذرا!
تو اپنی ذات سے باہر نکل کے دیکھ ذرا!

تجھے خبر نہیں، منزل ہے آس پاس ترے
نہیں یقین تو رستہ بدل کے دیکھ ذرا!

یہاں پہ کتنے ہی گھر بے چراغ ہیں اب تک
تو اپنے شیش محل سے نکل کے دیکھ ذرا!

نہ جانے کیا ہوا، اک حشر سا بپا ہے وہاں
وفا پرستوں کی بستی میں چل کے دیکھ ذرا!

میں کیا بتاؤں کہ کیسا ہے ذائقہ سچ کا
یہ زہر تو بھی کسی دن نگل کے دیکھ ذرا!

❁

سجدہ غلط ہے تیرا قبلہ غلط ہے تیرا
کہنا بجا ہے لیکن لہجہ غلط ہے تیرا
منزل قریں سہی پر رستہ غلط ہے تیرا

کیا دوش آئنے کا حلیہ، غلط ہے تیرا
گم صم بلا وجہ ہی
رہنا، غلط ہے تیرا

کوئی دشمن نہ جب رہا اُس کا مستند کیوں نہ ہو کہا اُس کا
عمر گزری ہے ہم نہیں بھولے وقتِ رخصت وہ دیکھنا اُس کا
بادشاہوں کے دل میں چبھتا ہے ہم فقیروں سے رابطہ اُس کا
روٹھ کر خود ہی میرے بارے میں ساری بستی سے پوچھنا اُس کا
اس سے بڑھ کر بھی کیا تعلق ہو عکس میرا ہے آئینہ اُس کا
جھوٹ بولے گا آئینہ کیونکر کیسے کرتا وہ سامنا اُس کا
جس کو پوجا تھا عمر بھر، یونسؔ
دل دکھاتا ہے تذکرہ اُس کا

ڈھنڈورا پیٹنا سود و زیاں کا یہی دستور ہے شاید یہاں کا
نہ جانے کھو گیا دیکھو کہاں وہ نشاں جو ڈھونڈتا تھا بے نشاں کا
وفا کی یادگاریں دیکھتے ہی لپکنا یاد ہے برقِ تپاں کا
وہی ہے ایک آوارہ سی خواہش وہی ہے سلسلہ آہ و فغاں کا
اگرچہ گھر تھا میرا روشنی میں اندھیرا تھا مکیں میرے مکاں کا
چلاتے تیر کیوں ہو، تیرگی میں نہیں ہے دور اب تیر و کماں کا

چلی آئی مرے قدموں میں منزل
جو دیکھا حوصلہ مجھ ناتواں کا

❁

رات بھر ہم نے عجب ایک تماشا دیکھا
کہ تعاقب میں اندھیرے کے اجالا دیکھا
کچھ تو رہ جاتا بھرم روٹھ کے جانے والے!
تو نے مڑ کر بھی نہ اے جانِ تمنا دیکھا
حسبِ معمول یہی سایا تھا ساتھی اس کا
حسبِ معمول اسے آج بھی تنہا دیکھا
صبح تک جس کی رہے باس میری آنکھوں میں
عمر بھر میں نے کوئی خواب نہ ایسا دیکھا
جس کے لہجے سے جھلکتا نہ ہو لہجہ تیرا
تیری بستی میں کوئی شخص نہ ایسا دیکھا
جانے وہ کون تھا الفت کا پجاری یونسؔ
ایک بار اس کو تو دیکھا ، نہ دوبارہ دیکھا

❁

وہ دریچوں سے کسی کا جھانکنا کیسا لگا!
کھوئی کھوئی اس نظر کا تاکنا کیسا لگا!

جس نگر میں اہلِ دل کو خوفِ رسوائی نہ تھا
اس نگر میں من چلوں کا گھومنا کیسا لگا!

بے سبب ہم ایک دوجے کو گلے دیتے رہے
بے سبب وہ رات بھر کا جاگنا کیسا لگا!

جو تعاقب میں ترے رہتی تھیں نظریں رات دن
پھر نہ ان کا ایک پل بھی دیکھنا کیسا لگا!

بے گناہی جب کسی کی چیختی ہی رہ گئی
پھر خلاؤں میں کسی کا گھورنا کیسا لگا!

یہ مسلّم ہے پرندے لوٹتے ہیں شام کو
شام سے پہلے مرا گھر لوٹنا کیسا لگا!

اک تبسم کے لیے پھرتے رہے جو کو بہ کو
ان جہاں گردوں کا اس کو ڈھونڈنا کیسا لگا!

موہنی سی ایک صورت ہے نگاہوں میں بسی
سامنے اس کو بٹھا کر سوچنا کیسا لگا!

آج یونسؔ انجمن میں اس پری وش کے لیے
میرا دیوانوں کی صورت بولنا کیسا لگا!

❁

دعائیں بے اثر ہیں، کیا بنے گا　　پریشاں چارہ گر ہیں، کیا بنے گا
شجر برقِ تپاں کی زد میں ہیں اب　　پرندے بے خبر ہیں، کیا بنے گا

ستم تو دیکھیے معصوم چہرے لہو میں تر بتر ہیں، کیا بنے گا
بڑی تھی دھوم کل جن کے ستم کی وہی اب معتبر ہیں، کیا بنے گا
وہ جن کی منصفوں سے ٹھن گئی تھی وہی اب دربدر ہیں، کیا بنے گا

وہ چہرہ چاند جیسا کب عیاں ہو
نگاہیں بام پر ہیں، کیا بنے گا

❁

تم نے وہی کیا نا! رستہ بدل لیا نا!
اک آس کیا بندھائی احساں جتا دیا نا!
مانا کہ تھی چنگاری! گھر تو جلا دیا نا!
آخر پجاری سچ کا مروا دیا گیا نا!
اے عشق تیرے قرباں! گھر بھی چھڑا دیا نا!
رسماً بھی اب تو ملنا ممکن نہیں رہا نا!
برباد کر کے مجھ کو خود کو بچا لیا نا!
تجھ کو سمجھ کے اپنا اچھا نہیں کیا نا!

بستی سے اُس کی یونسؔ
جانا ٹھہر گیا نا!

❁

گر کبھی فرصت ملے تو آئنوں کو دیکھنا
اپنی آنکھوں میں سلگتے رتجگوں کو دیکھنا

رابطے قائم ہیں جن سے دو دِلوں کے درمیاں
سلسلے ہیں پیار کے اِن سلسلوں کو دیکھنا

کر گیا پامال جن کو آج کا اَندھا سماج
خاک میں لتھڑے ہوئے ان پیکروں کو دیکھنا

چھپ گئے ہیں جن کے پیچھے چاند کے سب خدّ وخال
اُودے اُودے، گہرے گہرے بادلوں کو دیکھنا

جب کبھی تیرا گزر ہو، پتھروں کے دیس سے
ہو گئے تھے موم جو ان پتھروں کو دیکھنا

ظلم کی چکّی میں پس کر جو ابھی خاموش ہے
ایسے مفلس کی ذرا تم حسرتوں کو دیکھنا

جب کبھی نکلو سفر پر بادلوں کے دوش پر
تم ذرا پانی میں ڈوبی بستیوں کو دیکھنا

کیا ہوئے اقرار یونسؔ، عہد و پیماں کیا ہوئے
لمحہ لمحہ ٹوٹتے ان بندھنوں کو دیکھنا

❁

ہُو کا عالَم ہے خوف طاری ہے
آج کی رات ہم پہ بھاری ہے

تیکھے تیکھے ہیں شام کے تیور
دل کے آنگن میں سوگواری ہے

دیکھتے کیا ہو، میری آنکھوں میں
بے قراری ہی بے قراری ہے

کل تھے مقتل میں سر کٹے کتنے!
آج مقتل میں کس کی باری ہے

جس جگہ پر وہ مجھ سے جیتا تھا
میں نے بازی وہاں پہ ہاری ہے

میں ہوں راہی وفا کی منزل کا　　میری فطرت میں خاک ساری ہے
خود پہ رویا کبھی میں خود پہ ہنسا　　زندگی اس طرح گزاری ہے

جو بھی کہنا ہے کہہ دو یونسؔ اب
کیسی اپنوں سے پردہ داری ہے

❁

بیتے لمحوں کی اک صدا ہونا(۱)　　کتنا مشکل ہے بے وفا ہونا
بے سبب تو نہیں ہوئے پاگل　　ہم نے چاہا تھا آپ کا ہونا
راہِ الفت میں کچھ بعید نہیں　　اک پجاری کا دیوتا ہونا
کیا خبر کل کہاں بسیرا ہو　　ہم فقیروں سے کیا خفا ہونا
مسکرا کر وہ آپ کا ہم سے　　عمر بھر کے لیے جدا ہونا
کیا ستم ہے پہنچ کے منزل پر　　ترکِ الفت کا فیصلہ ہونا
وہ ترا مجھ سے منحرف ہونا　　وہ مرا خود سے آشنا ہونا
کتنے چہروں کا زرد پڑ جانا　　بے زبانی کا لب کشا ہونا

کیا خبر، حشر ہی بپا کر دے
ہم سے رندوں کا پارسا ہونا

❁

زندگی سے خفا نہیں رہنا　　چونکہ اس نے سدا نہیں رہنا
تب ہی روکو گے تم ہوا کے ہاتھ　　جب یہ روشن دیا نہیں رہنا
وہ تو وہ، شام کو تو ڈھلنے دے　　تیرا سایہ ترا نہیں رہنا

تب ہی شاید کرے تو مجھ سے طلب　　دل ہی جب کام کا نہیں رہنا
ہجر گر جاں کے درپے ہی رہے
ہم نے مضطر ذرا نہیں رہنا

❁

سلگتی رات، ہے نا!　　کوئی تو بات، ہے نا!
تمھارے ہاتھ میں آج　　کسی کا ہاتھ ہے نا!
نہیں ہم ، شہر سارا　　تمھارے ساتھ، ہے نا!
توقع خیر کی اَب　　فتورِ ذات ہے نا!
بچھڑنا خوش دلی سے　　انوکھی بات ہے نا!
تمھیں تشویش کیوں ہے!
خدا کی ذات ہے نا!

❁

مجھ کو صدمات میں ہے رکھا ہوا　　دل نے اوقات میں ہے رکھا ہوا
شکر ہے رزق، ربِ کعبہ نے　　اپنے ہی ہات میں ہے رکھا ہوا
گر بُرا ہوں تو اپنے دل میں مجھے　　تم نے کس بات میں ہے رکھا ہوا
مات کھاؤ کبھی تو تم پہ کھلے　　لطف جو مات میں ہے رکھا ہوا
سانحہ ہو نہ ہو مگر اُس نے　　ہم کو خدشات میں ہے رکھا ہوا
زندگی کیا کہیں کہ، تم نے ہمیں　　کیسے حالات میں ہے رکھا ہوا
کرب کس نے سمیٹ کر یونسؔ
ہجر کی رات میں ہے رکھا ہوا

زندگی بھر مرا یہ حال رہا ہر طرف خواہشوں کا جال رہا
میں یہی سوچ کر لرز جاؤں دور تجھ سے میں کتنے سال رہا
کون جانے کہ کیا تماشا ہو دردِ دل کا اگر یہ حال رہا
جانے والے تو لوٹتے ہی نہیں وقتِ رخصت یہ کب خیال رہا
چند لمحوں کی تو مسافت تھی عمر ساری مگر نڈھال رہا
جانے کس موڑ پر بچھڑ جائیں
ہر قدم پر یہ احتمال رہا

جب تک منافقوں سے مرا واسطہ رہا
ہر شخص میری ذات ہی میں جھانکتا رہا
خوابوں کی سر زمین کا باسی تھا میں، مگر
پھر بھی حقیقتوں کو وہاں ڈھونڈتا رہا
سرزد ہی کب ہوا تھا مری ذات سے وہ جرم
جس کی سزا میں ہنس کے یہاں کاٹتا رہا
سود و زیاں کے وہم کو دل سے نکال کر
ہر کام ہی میں کل پہ یہاں ٹالتا رہا
اس سے کہو کہ حد سے تجاوز نہ اب کرے
اب تک تو وہ جو بول بڑے بولتا رہا

ایسا نہ ہو کہ، آنکھ سے آنسو اُمڈ پڑیں
اپنی کہانی چھیڑ کر میں سوچتا رہا
ان صورتوں کی بھیڑ میں یوں گم ہوئے تھے لوگ
ہر شخص میرا راستہ ہی کاٹتا رہا
تاریکیوں کا ذہن پہ کچھ ایسا خوف ہے
دن میں جو جگنوؤں کو یہاں ڈھونڈتا رہا
شاید کہ تجھ سے روٹھ کر وہ بھی اداس ہو
کل شب تمہاری یاد میں جو جاگتا رہا
رہنا پڑا تھا نفرتوں کے اس غبار میں
جب میرے سامنے نہ کوئی راستہ رہا

❁

سوئے فتنوں کو اب جگانا کیا! حسن کو آئنہ دکھانا کیا!
جس نے اپنوں سے زخم کھائے ہوں اُس کی نظروں میں یہ زمانہ کیا!
کیوں ستاتے ہو ہم فقیروں کو ہم فقیروں کو آزمانا کیا!
چھین لی وقت نے ہنسی جن سے ایسے بچوں نے مسکرانا کیا!
ظلم سہنے میں کٹ گئیں عمریں آسماں سر پہ اب اُٹھانا کیا!
صرف رسوائیوں سے گھبرا کر
کوچۂ دلبراں سے جانا کیا!

❁

اعترافِ جرم الفت کر لیا کیا؟ کر لیا تو اِس قدر پھر سوچنا کیا

کیا ہوئیں وہ رونقیں اس شہر کی ہو گیا ہے اس طرح کا سانحہ کیا؟
وہ کہ جس نے عمر بھر غم ہی دیئے اُس کے بارے اِس قدر بھی سوچنا کیا
ہم تو ٹھہرے اجنبی اس شہر میں ہم فقیروں کا کسی سے واسطہ کیا
کیا ہوئیں وہ شوخیاں، وہ بانکپن آئینے سے ہو گیا ہے سامنا کیا؟
جا بجا بکھرے ہوئے ہیں سنگ کیوں؟ آ گیا تھا شہر میں وہ سر پھرا، کیا؟

ہوش والے کس لیے ناراض ہیں
بے خودی میں ہم نے یونسؔ کہہ دیا کیا؟

❁

پھول کا خار سے تقابل کیا! غیر کا یار سے تقابل کیا!
چپ کے معنی ہزار ہیں صاحب! چپ کا اظہار سے تقابل کیا!
مست و بے خود کا آپ ہی کہیے ایک ہشیار سے تقابل کیا
نور ہے اک لطیف سا احساس نور کا نار سے تقابل کیا!
عشق ہشیار و معتبر ہی سہی حسن پرکار سے تقابل کیا!
سچ تو یہ ہے کہ کاسہ لیسوں کا ایک خود دار سے تقابل کیا!
کیوں منائے نہ جشن فتح مگر جیت کا ہار سے تقابل کیا!

صبح اور ماہتاب کا یونسؔ
اس کے رخسار سے تقابل کیا!

❁

چاہتوں کا اب نہیں فقدان کیا؟ (۲) ابن آدم بن گیا انسان کیا؟

کیوں نہیں سنتا وہ چیخیں بھوک کی — سو گیا ہے وقت کا سلطان کیا؟
زندگی سے اس قدر کیوں نفرتیں؟ — زندگی نے کر دیا نقصان کیا؟
حدِّ امکاں تک ابھی پہنچا نہیں — راستے میں رہ گیا وجدان کیا؟
رنگِ خوں تو بھر دیا تصویر میں — پڑ گئی تصویر میں اب جان کیا؟
کیوں اچانک چھا گیا گہرا سکوت — آنے والا تو نہیں طوفان کیا؟
وقت رخصت بھی وہی شکوے گلے — تجھ سے ہو گا درد کا درمان کیا؟
جا رہا ہوں تیری بستی چھوڑ کر — دل میں تیرے تھا یہی ارمان کیا؟
یہ جو لفظوں میں مرے ہے زندگی — تیری نظروں کا نہیں فیضان کیا؟
خیمہ زن ہو اب کنارِ آب تم — دل کی بستی ہو گئی ویران کیا؟
تیرے لہجے کی بغاوت کیا ہوئی! — آ گیا ہے راس وہ زندان کیا؟

میں جو زندہ ہوں ابھی تک جانِ جاں!
اس کو بھی سمجھوں ترا احسان کیا؟

❁

دل کا بھید بتا دوں کیا! — اپنی خاک اڑا دوں کیا!
بھول گئے ہو وعدہ تو — تم کو یاد دلا دوں کیا!
ہجر میں لطفِ جنوں بھی ہے — غم کی بھینٹ چڑھا دوں کیا!
دیکھ کے تجھ کو دی نہ صدا — خود کو اور سزا دوں کیا؟
سونی ہے یہ مانگ تری — تارے توڑ کے لا دوں کیا!

رات کو رات لکھا ہے تو
اپنے ہاتھ کٹا دوں کیا!

ہو گئی دل کی ترجمانی کیا؟ ختم کر دوں میں اب کہانی کیا؟
ایک پل بھی نہ چین سے گزرا ایسی ہوتی ہے زندگانی کیا؟
کوئی پوچھے یہ حکمرانوں سے سب بلائیں ہیں آسمانی کیا؟
اے غمِ دوست! عمر بھر تیری ہم پہ واجب ہے میزبانی کیا؟
کیا ہوا شور تھا جو یادوں کا لٹ گئی دل کی راج دھانی کیا؟
آج پوچھیں یہ ہوش مندوں سے بات دل کی بھی کوئی مانی کیا؟
تیرے ہونے کی میں نشانی ہوں میرے ہونے کی ہے نشانی کیا؟

یہ تجھے خضر کی تلاش ہے کیوں
چاہیے عمرِ جاودانی کیا؟

شہر کا ماحول بھی یہ کس طرح کا ہو گیا
جس کے جتنے یار تھے اُتنا ہی تنہا ہو گیا
اک تعلق واجبی سا اتنا گہرا ہو گیا
میں تو رُسوا تھا ہی یونسؔ وہ بھی رُسوا ہو گیا
گھر سے نکلا ہی تھا میں لے کر وفا کی مشعلیں
پھر نہ جانے کیا ہوا کیوں شور برپا ہو گیا
اُس کی قیمت کیا لگائیں گے امیر شہر اب
مفلسی کی آگ میں جل کر جو سونا ہو گیا
گویا میں نے دشمنی لے لی ہو سارے شہر سے
اک ذرا تجھ سے مرا یہ واسطہ کیا ہو گیا

اُس کے دروازے کی مجھ سے آشنائی دیکھیے!
چاپ قدموں کی سنی اور خود بخود ''وا'' ہو گیا
اب وہ پہلا سا رویہ ہے نہ اُس کی گفتگو
آئنے سے اُس کا اک دن سامنا کیا ہو گیا
جس کو بھی دیکھوں قسم سے اُس کے جیسا ہی لگے
نقش آنکھوں میں مری کس کا سراپا ہو گیا

❁

خیر، یہ بھی معرکہ سر ہو گیا — اِک تصور تھا جو پیکر ہو گیا
وہ ہوا کے دوش پر جلتا دیا — کس گھروندے کا مقدر ہو گیا!
مفلسی کے کرب سے ناآشنا — مفلسوں کا کیسے یاور ہو گیا
پہلے خوش بُو سنگ ریزوں میں ڈھلی — پھر اچانک پھول پتھر ہو گیا
ایک قطرے کا مقدر خاک تھی — ایک وہ قطرہ جو گوہر ہو گیا
اس قدر پیاسی نہ تھی ساحل کی ریت — خشک پھر کیسے سمندر ہو گیا
اک تیرے آنے سے اے جانِ وفا — شہر کا ماحول بہتر ہو گیا
کس مسافت سے پڑا ہے واسطہ — دو قدم چلنا بھی دوبھر ہو گیا
کس قدر دلکش تھے اُس کے خد و خال
ایک وہ چہرہ جو اَزبر ہو گیا

❁

بدگماں وہ یار کیسے ہو گیا! — شاملِ اغیار کیسے ہو گیا!

تیرے گھر سے میرے گھر تک راستہ اِس قدر دُشوار کیسے ہو گیا
میرا رُخ تو دشمنوں کی سمت تھا پشت سے یہ وار کیسے ہو گیا!
کیا ہوئی وہ جان لیوا بے رُخی؟ یہ اچانک پیار کیسے ہو گیا!
جس نے بخشیں عمر بھر ہی نفرتیں وہ مرا غم خوار کیسے ہو گیا؟
گرنے والی تو بس اک دیوار تھی
سارا گھر مسمار کیسے ہو گیا؟

❁

آپ عزت مآب ہیں صاحب! ہم ہی شاید خراب ہیں صاحب!
اُترے اُترے ہیں چہرے کلیوں کے سہمے سہمے گلاب ہیں صاحب!
ہم نے تم کو کیا ہے تخت نشیں ہم ہی زیرِ عتاب ہیں صاحب!
ایک ہوتا تو خیر تھی، لیکن مسئلے بے حساب ہیں صاحب!
ہم سے مت چھینیے، خدا کے لیے ہم کو پیارے یہ خواب ہیں صاحب!
سچ تو یہ ہے کہ، ظلم ڈھانے میں
آپ اپنا جواب ہیں صاحب!

❁

اب دلاسے نہ دیجیے صاحب! ہونٹ تو کب کے سی لیے صاحب!
بزمِ رنداں میں کیسے زحمت کی کچھ وضاحت تو کیجیے صاحب!
ہم پہ تنقید کا ہے شوق اگر اپنے اندر بھی جھانکیے صاحب!
خیر چہرہ تو کیا پڑھیں گے آپ غور لہجے پہ کیجیے صاحب!

زہرِ انسان بھی ہے مہلک جب سانپ بے شک نہ پالیے صاحب
سانس لینا بھی چھوڑ دیں اب کیا
بات کرنے کی کیجیے صاحب!

❁

تم معتبر ہوئے ہو جس سے ملا کے ہاتھ
وہ شخص لے گیا تھا میرے چرا کے ہاتھ
اک بھی دیا رہا نہ پھر اُس کی دسترس میں
کچھ اس طرح سے رو کے ظالم ہوا کے ہاتھ
ممکن ہے لَوٹ آئے لیکن نہ جانے کیونکر
اَب کے گیا نہیں وہ مجھ سے مِلا کے ہاتھ
پھر بھی نہ بجھ سکی ہے یہ آگ نفرتوں کی
اِس کشمکش میں رہ گئے ہم تو جلا کے ہاتھ
اب کے ہوئی ہے جو بھی میرے خلاف سازش
لگتے ہیں اِس کے پیچھے اُس آشنا کے ہاتھ
اُن سے تو جا کے پوچھو کیا ہے قلم کی حرمت
جو سرخ رُو ہوئے تھے اپنے کٹا کے ہاتھ
طائر تمھاری جاں کا اِک دن دبوچ لیں گے
روکے سے کب رُکے ہیں یونسؔ قضا کے ہاتھ

لاکھ بے شک تو استخارا کر!
وہ نہ لوٹے گا مت پکارا کر!

رو پڑیں ہم بھی دیکھ کر تجھ کو
اتنا غم بھی نہ تُو ہمارا کر!

تو پیمبر ہے روشنی کا اگر
ایک ذرے کو تو ستارا کر!

منصبِ فقر کی طلب ہے اگر
ہم فقیروں سے مت کنارا کر!

دشتِ امکاں سے میں نکلتا ہوں
اے مرے خضر! کچھ اشارا کر!

ہو بھی سکتی ہے کوئی اَن ہونی
وحشتِ دل کا کوئی چارا کر!

اک گزارش ہے، حکم ہو تو کہوں
سخت لہجے میں مت پکارا کر!

زخم ناسور بنتا جاتا ہے
چارا گر میرے کوئی چارا کر!

بے شک نہ وفا کر!
ملتا تو رہا کر!

بس حکم کیا کر!
طعنے نہ دیا کر!

تو اپنے سوا بھی
کچھ سوچ لیا کر!

بجھ جائے بھلے ہی
روشن تو دیا کر!

میرا ہے یہاں کون
خود سے نہ جدا کر!

پھرنے کو ہیں سڑکیں
دن رات پھرا کر!

بے شک نہ مرے یار کبھی مجھ سے وفا کر
لیکن یہ گزارش ہے کہ ہنس کر تو ملا کر!
شاید تجھے معلوم نہیں سچ کے پجاری
اس شہر میں رہنا ہے تو خاموش رہا کر!
شہرت ہے بہت تیری سخاوت کی ولیکن
ہم درد کے ماروں کا بھی احساس کیا کر!
ہم بھی تو اسے دیکھیں ذرا وقت کے منصف
اس بار تو ظالم کو کٹہرے میں کھڑا کر!
دن چڑھتے ہی مزدوری پہ جانا ہے تجھے پھر
دن چڑھنے سے پہلے تو ذرا سو بھی لیا کر!

کچھ تو مجھ سے بات کر! رائیگاں مت رات کر!
منہا اپنی ذات سے یوں نہ میری ذات کر!
ہم فقیرِ شہر ہیں ہم سے تو نہ ہات کر!
گر خوشی درکار ہے آنکھ سے برسات کر!
کب سے ہوں کاسہ بدست
اے سخی! خیرات کر!

ہر عہد سے مکر کر کہتے ہو درگزر کر!

بننا ہی تھا تماشا دل سے ترے اتر کر!
رسماً بھی نہ ملا تُو پہنچا تھا، کوئی مر کر!
اتنی بھی بے رخی کیا
رخ تو ذرا اِدھر کر!

❁

آنکھ نکلی نہ خواب سے باہر(۳) اک مسلسل عذاب سے باہر
اک جہاں اور چاہیے بسنا اس جہانِ خراب سے باہر
پارساؤں کے خیر مقدم کو مستی نکلی شراب سے باہر
ہم نے دیکھی ہے رقص کرتے ہوئے آج خوشبو گلاب سے باہر
دل کا عالم نہ پوچھیے صاحب! جیسے مچھلی ہو آب سے باہر
یہ محبت بھی چیز کیسی ہے! ہم نہ نکلے سراب سے باہر
اُس کے ہونٹوں کو چومنے کے لیے لفظ نکلے کتاب سے باہر
ہم سے دنیا سوال کرتی ہے چاہتوں کے نصاب سے باہر
ہم بھی دیکھیں کہ آپ کیسے ہیں! آپ نکلیں جناب سے باہر
اُس کے بخشے ہوئے یہ غم یونسؔ
ہو رہے ہیں حساب سے باہر

❁

کچھ تو عیاں، مجبوری کر! ورنہ ختم یہ دوری کر!
بھوک ہے گھر میں اس کا سوچ عشق نہیں مزدوری کر!
ردِ عمل بھی دیتا ہوں اپنی بات تُو پوری کر!

حق کا علم تُو بے شک تھام
سوچ بھی اب منصوری کر!

بے نام سا تعلق کس کام کا تعلق
پتھر کا آئینے سے ہے تو، بتا تعلق!
کہنا تو سچ ہی کہنا مت دیکھنا تعلق
ہم نے اسے نبھایا جب تک رہا تعلق
گل ہی نہ اب کھلا دے
یہ ٹوٹتا تعلق

باب نیا اک کھُلتا دیکھ! شر اور خیر ہیں یکجا دیکھ!
جا بھی چکا وہ جانے والا اب تُو بیٹھ کے رستہ، دیکھ!
لمحہ لمحہ سمٹ رہی ہے چشمِ فلک یہ دنیا، دیکھ!
کس نے ہے بخشا یہ مت پوچھ! زخم ہے کتنا گہرا، دیکھ!
راہ میں مجھ کو چھوڑنے والے
کتنا کٹھن ہے رستہ دیکھ!

اپنی حد میں رہنا سیکھ جینا ہے تو جینا سیکھ
خوشیوں کی بھی خواہش کر لیکن غم بھی سہنا سیکھ
شکنیں ڈال نہ ماتھے پر سچی بات بھی سننا سیکھ

ہم کو قائل کرنا ہے تو پہلے بات تو کرنا سیکھ
بہتر ہے درویش کسی سے نفرت سے تُو بچنا سیکھ
لفظ ترے یہ اپنی جا لیکن شعر بھی کہنا سیکھ
یونسؔ تارے گننا چھوڑ
ہجر کے صدمے سہنا سیکھ

❁

ہاں، سمجھتے ہیں اس کا غم، ہم لوگ جس کو ہوتے نہیں بہم، ہم لوگ
ہم سے پوچھو سفید پوشی کا کیسے رکھتے ہیں اب بھرم، ہم لوگ
جانے کس خوف سے پلٹ آئے چل ہی پائے تھے دو قدم، ہم لوگ
تیری خواہش ہے وقت کے حاکم یونہی سہتے رہیں ستم، ہم لوگ
تخت پر بیٹھنے سے پہلے کیا!
تم کو پیارے نہ تھے صنم، ہم لوگ

❁

سمجھتا، کیوں نہیں دل سنبھلتا، کیوں نہیں دل
اگر وہ جاچکا ہے تڑپتا کیوں نہیں دل
نہیں ہے سانس مدھم دھڑکتا کیوں نہیں دل
ہے ویراں دل کی بستی بلکتا کیوں نہیں دل
اب اس کو دیکھ کر بھی مچلتا کیوں نہیں دل
کسی بھی بات سے اب
بہلتا کیوں نہیں دل

غم کی تصویر جب بنانا تم! ہم سے لوگوں کو مت بھلانا تم!
گفتگو پر نہ اس کی جانا تم! اس منافق سے مل کے آنا تم!
لالچی ہیں نہ ہم بکاؤ ہیں سوچ کر رسم و رہ بڑھانا تم
نسلیں بھگتیں گی اس کا خمیازہ گھر میں دیوار مت بنانا تم
ہم بتائیں گے طور جینے کے ہم فقیروں سے ملنے آنا تم
گر بتا دیں کہ زندگی کیا ہے بھول جاؤ گے مسکرانا تم!
ہم بھی دیکھیں یہ چاند دھرتی کا رُخ سے زلفیں ذرا ہٹانا تم!
دیکھ لینا ہوا کے تیور بھی اِن چراغوں کو پھر جلانا تم!
یونہی ملتے رہو فقیروں سے سیکھ جاؤ گے غم چھپانا تم!
جب کبھی یاد میری تڑپائے ڈھلتے سورج کو دیکھ آنا تم!

غم اُٹھاؤ گے، چھوڑ دو یونسؔ
اپنے یاروں کو آزمانا تم!

دیتے ہوئے دعائیں اک دوسرے کو ہم
بہتر ہے بھول جائیں اک دوسرے کو ہم
بے شک نہ اب ملیں ہم لیکن خدا کرے
شدت سے یاد آئیں اک دوسرے کو ہم
میری طرح سے تو بھی ہے لاپتہ یقیناً
آ جا کہ ڈھونڈ لائیں اک دوسرے کو ہم

ہونا تو چاہیے نا اس میں بھی اک سلیقہ
نیچا بھی گر دکھائیں اک دوسرے کو ہم

یہ کیا کہ روٹھ جانا کھل کے نہ کچھ بتانا
احساس تو دلائیں اک دوسرے کو ہم

مضبوط ہے یہ بندھن کیسے بھلا یہ ٹوٹے
جتنا بھی اب ستائیں اک دوسرے کو ہم

جب تک دلوں میں اپنے یہ بد گمانیاں ہیں
کیوں کر گلے لگائیں اک دوسرے کو ہم

مہر و وفا سکوں میں ہیں دونوں ہی خود کفیل
در در تو نہ پھرائیں اک دوسرے کو ہم

اک دن رقم یہ ہوں گے چہروں پہ دیکھ لینا
بے شک نہ دکھ بتائیں اک دوسرے کو ہم

مجبوریاں ہیں یونسؔ دونوں کی ایک جیسی
کیسے مگر بتائیں اک دوسرے کو ہم

❁

اتنا تنہا ہو گیا میں ایک دن
خود پہ افشا ہو گیا میں ایک دن

بیٹھے بیٹھے بے سبب ہی دوستو!
مطمئن سا ہو گیا میں ایک دن

ایسا اک منتر پڑھا بے مہر نے
اس کے جیسا ہو گیا میں ایک دن

اس قدر تھا ناروا اس کا سلوک
ریزہ ریزہ ہو گیا میں ایک دن

روپڑے دیوار و در بھی شہر کے
اتنا رسوا ہو گیا میں ایک دن

❁

عہد ِوفا ہی تم نے نبھانا نہ تھا یہاں!
حائل ہمارے بیچ زمانہ نہ تھا یہاں

یوں جارہا تھا جیسے پلٹ آئے گا کبھی
وہ شخص جس کو لوٹ کے آنا نہ تھا یہاں

دو چار گھونٹ دے کے سمندر نے یہ کہا
اتنی ہی تشنگی تھی تو آنا نہ تھا یہاں

گر تجھ کو اس قدر ہی تھا رسوائیوں کا خوف
اس بے وفا کے کوچے میں جانا نہ تھا یہاں

اچھا کیا جو سایہء دل میں بٹھا لیا
ہم بے گھروں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا یہاں

اے چشم ِیار تیری توجہ کا شکریہ!
ورنہ کسی نے ہم کو تو مانا نہ تھا یہاں

ہوش و خرد کے کھونے کا کرنا تھا گر ملال
اہلِ جنوں سے ربط بڑھانا نہ تھا یہاں

ساری ہی رات اس کو سنانے میں کٹ گئی
اتنا طویل گرچہ فسانہ نہ تھا یہاں

آگ بے شک جلا کے بیٹھ یہاں اپنا دامن بچا کے بیٹھ یہاں
تجھ پہ عقدے کھلیں گے ہستی کے ہم فقیروں میں آ کے بیٹھ یہاں
میکدہ ہے، نگار خانہ نہیں اپنی آنکھیں جھکا کے بیٹھ یہاں
شمعِ محفل ہے، شمعِ محفل بن رخ سے زلفیں ہٹا کے بیٹھ یہاں
غم کی دولت بھلے ملے نہ ملے دل کا دامن بچھا کے بیٹھ یہاں
کیوں بڑھائے تو غیر کی توقیر! آ مرے پاس آ کے بیٹھ یہاں
تو بھلے جس بھی خاندان سے ہے
اپنی ہستی مٹا کے بیٹھ یہاں

اعجازِ سیم و زر ہے، کیسے یقین کر لوں
وہ شخص معتبر ہے، کیسے یقین کر لوں
کل تک تو تُو خفا تھا، لیکن یہ آج میرے
زانو پہ تیرا سر ہے کیسے یقین کر لوں
دن بھر تراشتا ہے پتھر کی مورتیں جو
کہتے ہو شیشہ گر ہے کیسے یقین کر لوں
خوشبو کا ہم سفر تھا ابھی کل کی بات ہے
اب خاک رَہ گزر ہے کیسے یقین کر لوں
دنیا سے بے خبر ہے یہ بات معتبر ہے
مجھ سے وہ باخبر ہے کیسے یقین کر لوں

پھرتا ہے مارا مارا دن رات جو یہاں پر
اس کا بھی کوئی گھر ہے، کیسے یقین کر لوں
پہنچا ہے ساتھیو جو مقتل میں سر چھپانے
دانا ہے، دیدہ ور ہے، کیسے یقین کر لوں
حرمت قلم کی بیچی اور سُرخرو ہوا ہے
خود دار و معتبر ہے، کیسے یقین کر لوں
جس سے اٹھا دیا ہے، یونسؔ کو بے رخی سے
اے یار تیرا در ہے کیسے یقین کر لوں

❁

غم کی سوغات لیے پھرتا ہوں تیری خیرات لیے پھرتا ہوں
زندگی دیکھ! نہیں ہوں تنہا تیرے دکھ سات لیے پھرتا ہوں
کوئی سمجھے تو سب بیاں بھی کروں دل میں جو بات لیے پھرتا ہوں
دل میں اتنی تھی کہاں گنجائش جتنے صدمات لیے پھرتا ہوں
پہلے تو صرف زباں کاٹی گئی
اب کٹے ہات لیے پھرتا ہوں

❁

رنگ پھولوں سے چراتے ہوئے رو پڑتا ہوں
اُس کی تصویر بناتے ہوئے رو پڑتا ہوں
شام ہوتے ہی کسی گوشۂ تنہائی میں
روٹھے لمحوں کو مناتے ہوئے رو پڑتا ہوں

جو میرے شہر کی توقیر ہوا کرتا تھا
آئنہ اس کو دکھاتے ہوئے رو پڑتا ہوں
رات بھر جو میری تنہائی کے ساتھی ٹھہرے
ان چراغوں کو بجھاتے ہوئے رو پڑتا ہوں
ہو سکا جو نہ مرا میرے قریں رہ کر بھی
جانے کیوں اس کو بھلاتے ہوئے رو پڑتا ہوں
تذکرہ اس کی جفا کا جو کہیں آجائے
داستاں اپنی سناتے ہوئے رو پڑتا ہوں
میں کروں یاد اسے، یا کہ خدا کو یونسؔ
دل میں یہ جوت جلاتے ہوئے رو پڑتا ہوں

❁

جان مری، میں کر سکتا ہوں
اپنی نفی، میں کر سکتا ہوں
چھوڑ رہا ہوں شہر تمہارا
اب تو یہی، میں کر سکتا ہوں
ہو جو اجازت گئے دنوں کی
بات کوئی میں کر سکتا ہوں
تو ہی بتا کیا غم سے ترے
پہلو تہی، میں کر سکتا ہوں
جھوٹا گر گردانا ہے تجھ کو
ثابت بھی میں کر سکتا ہوں
اس نے اب کیا ہونا میرا
خواہش ہی میں کر سکتا ہوں

کب میں تجھ سا دکھائی دیتا ہوں
ہوں میں جیسا دکھائی دیتا ہوں

اتنا تنہا نہیں ہوا میں ابھی
جتنا تنہا دکھائی دیتا ہوں

مجھ کو اُتنا تو وہ کرے تسلیم
جس کو جتنا دکھائی دیتا ہوں

اچھا بننے کی کشمکش میں ہوں
سب کو بگڑا دکھائی دیتا ہوں

اک نئے زخم کا ہے ردعمل
میں جو ہنستا دکھائی ہوں

چھوڑ دنیا کو مجھ کو اتنا بتا
تجھ کو کیسا دکھائی دیتا ہوں

حق میں مرے وہی گواہی دے
جس کو سچا دکھائی دیتا ہوں

اتنا اچھا تو خیر میں بھی نہیں
جتنا اچھا دکھائی دیتا ہوں

کندن اگر ہوا ہوں
اک عمر میں جلا ہوں

انسان ڈھونڈتا ہوں
پاگل نہیں تو کیا ہوں

مانا کہ میں برا ہوں
تیرا تو ہم نوا ہوں

فرصت ملے تھے سوچوں
کیوں اتنا سوچتا ہوں

تیرا نہیں رہا تو
اپنا بھی کب رہا ہوں

اے عشق! تیرے ہاتھوں
رسوا بہت ہوا ہوں

میں جلتا جا رہا ہوں نکھرتا جا رہا ہوں
خود اپنی دسترس سے نکلتا جا رہا ہوں
سنورنا چاہیے تھا بگڑتا جا رہا ہوں
ترے دل سے بھی شاید! اُترتا جا رہا ہوں
وہ چہرہ دیکھنا تھا میں پڑھتا جا رہا ہوں
نہ تھامو! گر پڑوں گا سنبھلتا جا رہا ہوں
سمٹنے کی سعی میں بکھرتا جا رہا ہوں
نہ بجھتا ہوں نہ جلتا سلگتا جا رہا ہوں
عزائم دوستوں کے سمجھتا جا رہا ہوں
وہ جانے پر بضد ہے
میں مرتا جا رہا ہوں

رفتہ رفتہ بکھر رہا ہوں میں اُس کے دل سے اُتر رہا ہوں میں
مُضطرب کیوں ہیں چارہ گر میرے کب تھا زندہ جو مر رہا ہوں میں
مجھ سے پوچھو عذابِ در بَدَری مدتوں در بدر رہا ہوں میں
خوف کیسا ہے، جاگزیں دل میں اپنے سائے سے ڈر رہا ہوں میں
کیا کروں گا اگر بھلا نہ سکا تجھ سے وعدہ تو کر رہا ہوں
اپنی پہچان بھی تو کھو دی ہے دُور تجھ سے اگر رہا ہوں میں
بات سن کر وہ اس طرح چونکے گویا الزام دھر رہا ہوں میں

میرے حاسد کو ایک ہی دُکھ ہے لمحہ لمحہ سنور رہا ہوں میں
گردشو! جاؤ پھر کبھی ملنا
دم محبت کا بھر رہا ہوں میں

❁

سننی پڑیں نا، کتنی باتیں اور کرو، تم سچی باتیں
خالی جیب اور سچی باتیں کون سنے گا تیری باتیں!
عہدِ ستم میں سچی باتیں مت کر، پاگل پن کی باتیں
اپنی رہیں نہ اپنی باتیں گھر گھر پہنچیں گھر کی باتیں
بہتر تھا کہ کر لی جاتیں اپنے آپ سے دل کی باتیں
اہلِ ہوس تھے پانی پانی سن کر اک درویش کی باتیں
ہم نے فقط اک آہ بھری تھی سننی پڑیں پھر کتنی باتیں
رات گئے تک ہوتی ہیں اب چاند سے پیارے تیری باتیں
جھوٹ بھی تیرا سچ کے جیسا کون سنے یہ الجھی باتیں
یونسؔ یہ بھی درویشی ہے
معنی خیز یہ تیری باتیں

❁

کب مری جان بے وفا تھا میں دور تجھ سے کیا گیا تھا میں
اس کی خواہش نہ مدعا تھا میں عشق میں جس کے مبتلا تھا میں
اب یہ سوچوں تو شرم آتی ہے تجھ سے کتنا گریز پا تھا میں
میں نہیں، آئنہ تھا شرمندہ جس متانت سے تک رہا تھا میں

دل ہی مانا نہیں خدا کی قسم ختم کرنے کو واسطہ تھا میں
تجھ سے کم ظرف کے اٹھائے ناز نہیں پاگل تو اور کیا تھا میں!
جس کو چاہا تھا پاگلوں کی طرح اس کی خواہش نہ مدعا تھا میں
دل نے شاید مجھے ہو روک لیا
ورنہ جانے کو جاچکا تھا میں

❁

سوچ رہا ہوں بیٹھا گھر میں خوف ہے کیسا بام و در میں
حیرت ہے کچھ موم کے پیکر گھوم رہے تھے دھوپ نگر میں
پیچھے مڑ کر دیکھنے والے ہو گئے پتھر لمحہ بھر میں
رہنے دو تم پریم کہانی
کون سنے گا شور و شر میں

❁

مجھ کو چبھتا ہے، تیری آنکھوں میں عکس کس کا ہے؟ تیری آنکھوں میں
روتی رہتی ہیں، کوئی موسم ہو کوئی دریا ہے، تیری آنکھوں میں
کس کو دیکھا ہے پیار سے تو نے! کون ڈوبا ہے تیری آنکھوں میں!
تیرے دل میں مجھے اترنا ہے کوئی رستہ ہے، تیری آنکھوں میں!
ایسی کیا بات ہوگئی، یونسؔ!
حشر برپا ہے، تیری آنکھوں میں

❁

لمحے زَنجیر، کر رہا ہوں میں غم کو تسخیر کر رہا ہوں میں

حق کی تشہیر کر رہا ہوں میں ذِکر شبّیر کر رہا ہوں میں
گرتے دیکھا ہے خواب میں اس کو گھر جو تعمیر کر رہا ہوں میں
اتنی بہتر بنیں گی تصویریں جتنی تاخیر کر رہا ہوں میں
خود سے ملنے کی ایک مدت سے کوئی تدبیر کر رہا ہوں میں
ہیں سب اہلِ وفا ہَمہ تَن گوش
غم کی تفسیر کر رہا ہوں میں

❁

سچ کا نقیب ہوں میں کتنا عجیب ہوں میں!
مجھ سے ہے دور کوسوں جس کے قریب ہوں میں
خود ہی میں اپنا سامع خود ہی خطیب ہوں میں
اب تو ملا دے مولا! جس کا نصیب ہوں میں
لہجہ ہے تلخ کتنا!
کیسا غریب ہوں میں

❁

سنو تو، کچھ کہوں میں! کہ، یونہی چپ رہوں میں!
کروں تو کیا کروں میں کہ تجھ سا ہی لگوں میں!
گنوں، احسان تیرے کہ زخموں کو گنوں میں!
چراغو حوصلہ دو! ہوا سے لڑ سکوں میں
خوشی ہو، تیری خاطر اگر کچھ کر سکوں میں

کنارا، وہ بھی تجھ سے کروں تو، کیوں کروں میں
کچھ ایسا کر تو عیسٰی سکوں سے مر سکوں میں
دیے گل کر چکا ہوں ہوا سے کیوں ڈروں میں
ٹھکانہ ہو تو شب بھر
سڑک پر یوں پھروں میں

رو رہی تھی سسکیوں میں زندگی، کچے گھروں میں
مہر و الفت کے مناظر اب کہاں ان بستیوں میں
جان تھا جو محفلوں کی جا بسا ہے جنگلوں میں
کام کیا اہلِ خرد کا ہم سے بگڑے سر پھروں میں
ہم نے دیکھی بین کرتی بے کسی خستہ گھروں میں
ماہ رُو گہنا گئے ہیں اس قدر محرومیوں میں
ہر جگہ موجود ہے جو ڈھونڈتے ہو جنگلوں میں
ہے اندھیرا مسکنوں میں
روشنی ہے مَعبدوں میں

اگر اچھا نہیں میں تو کیا تیرا نہیں میں
معما تو نہیں، تُو! جسے سمجھا نہیں میں
اُڑے کیوں خاک میری اگر جھوٹا نہیں میں

فرشتہ بھی کہو کیوں! اگر بندہ نہیں میں
وہاں دیکھا گیا ہوں جہاں ہوتا نہیں میں
کرو ہو کیوں نصیحت اگر سنتا نہیں میں
دھڑکتا کیوں ہے یہ دل
اگر زندہ نہیں میں

کہہ دیا ہو گا بے دھیانی میں ورنہ لگتی ہے آگ پانی میں!
کٹ ہی جائے گا چاہتوں کا سفر اس کی یادوں کی میزبانی میں
گر ہے سچی تو اے کہانی گو! موڑ اتنے ہیں کیوں کہانی میں
خود کو کب تک سنبھال پاؤں گا شدتِ رنجِ رائیگانی میں
رنگِ الفت ہی کیا نہیں کافی! رنگ بھرنے کو زندگانی میں
کتنی صدیوں کے بھید ہیں پنہاں ہم فقیروں کی بے زبانی میں
مجھ سے منسوب ہے کہانی گر میں کہاں ہوں تری کہانی میں
تب کھلا مجھ پہ آئنے کا سچ عکس دیکھا جو اپنا پانی میں
آ رہا ہو گا بھولنے والا کٹ گئی عمر خوش گمانی میں
بھوک عُسرت ملی ہمیں ظالم
اِس ترے دورِ حکم رانی میں

ہم جو مثلِ سایۂ دیوار ہیں اِک مسلسل کرب سے دوچار ہیں

کیا کریں یہ فاختائیں امن کی ہم تو باہم برسرِ پیکار ہیں
ہر کسی کی اپنی اپنی سوچ ہے گھر کی بربادی کے یہ آثار ہیں
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ وفا زندگی سے کس قدر بے زار ہیں
وہ بھی سنتا کاش ان کو ایک دن
جس کی بخشش یہ مرے اشعار ہیں

کیوں نہ رستے وہ اختیار کریں منزلوں سے جو ہم کنار کریں
کٹ بھی سکتی ہے رات فرقت کی ہم ستارے اگر شمار کریں
ہم پہنچ جائیں گے لٹیروں تک گر تعاون یہ پہرے دار کریں
رشتہ رکھا بحال دھرتی سے اور کیا ہم سے خاکسار کریں
ہم وہی ہیں تُو آزما تو سہی حکم ہو گر تو جاں نثار کریں!
کچھ منافق ہیں اپنے لشکر میں کیوں نہ تسلیم اپنی ہار کریں
پھر سجائیں گے بزم ہستی کو غم کا دریا تو پہلے پار کریں
اب تو سوچا ہے زندگی اپنی
جس قدر بھی ہے وقفِ یار کریں

خار و خس کو گلاب کیا لکھیں ہم حقیقت کو خواب کیا لکھیں
منصفِ شہر کے یہ پروردہ سچ پہ مبنی کتاب کیا لکھیں
شہر سارا ہمارے درپے ہے رنجشوں کا حساب کیا لکھیں

جس کے شر کا ہے کو بہ کو چرچا اس کو عالی جناب کیا لکھیں
دکھ دیئے بے حساب دنیا نے ہم دکھوں کا حساب کیا لکھیں
وقتِ رخصت جدائی کا نوحہ دلِ خانہ خراب کیا لکھیں
مہرباں جن پہ زندگانی ہو
زندگی کے عذاب کیا لکھیں

❁

اُس کی دہلیز پہ رکھ دیتے ہیں جا کر آنکھیں(۴)

جو گزر جاتا ہے ہر بار چرا کر آنکھیں
خواب دکھلا کے مجھے بیتے ہوئے لمحوں کے
چین سے سو گئیں خود مجھ کو جگا کر آنکھیں
چاند، جگنو نہ ستارا ہی کوئی بھائے اُسے
جب سے آیا ہے وہ سورج سے ملا کر آنکھیں
جا رہا ہے تری دنیا سے بہت دُور کوئی
اک نظر دیکھ تو لے، اب تو اُٹھا کر آنکھیں
میں نہ کہتا تھا، ''نہیں ہجر میں رونا اچھا''
کیا ملا تجھ کو بھلا، اپنی گنوا کر آنکھیں
کیا خبر مجھ سے محبت ہے کہ نفرت اُس کو
بات کرتا ہی نہیں مجھ سے ملا کر آنکھیں
ایسی کیا بات ہے ، اُس شوخ کی آنکھوں میں کہ لوگ
خوش ہوئے پھرتے ہیں کاغذ پہ بنا کر آنکھیں

جس درجہ مسائل ہیں کب اتنے وسائل ہیں
لہجہ ہے دبنگ ان کا کس در کے یہ سائل ہیں؟
اُس حسنِ مجسم کے ہم آج بھی قائل ہیں
کچھ اپنے رویے بھی ہم دونوں میں حائل ہیں
کچھ اس نے بھی ہیں بخشے کچھ اپنے مسائل ہیں
مت چھیڑ غزل یونسؔ
ہم پہلے ہی گھائل ہیں

حالانکہ اِک پرندہ بھی بے بال و پَر نہیں
لیکن یہ کیا کہ کوئی بھی محوِ سفر نہیں
اس شہرِ بے اماں سے چلو کوچ کر چلیں
محفوظ اب یہاں تو کسی کا بھی گھر نہیں
صد شکر اس کے شر سے میں ہوں بچ گیا مگر
چھوڑی تو ویسے اس نے بھی کوئی کسر نہیں
الفت کے اس سفر میں کوئی ہم سفر بھی ہو
تنہا کسی بھی طور یہ کٹتا سفر نہیں
مدت کے بعد مجھ پہ یہ ظاہر ہوا کہ میں
جیسا دکھائی دیتا ہوں ویسا مگر نہیں
ہر شخص میری طرح کرے تجھ پر اعتبار
اتنا بھی خیر بستی میں تُو معتبر نہیں

غیروں سے رسم و راہ بڑھانے سے فائدہ
اب تک تو کچھ ہوا نہیں، کل کی خبر نہیں

سب ہی دکھا رہے ہیں مجھے راہ پیار کی
ہم راہ مرے کوئی بھی چلتا مگر نہیں

حیرت ہے جان لیوا جدائی کے باوجود
زندہ ہوں اور جاں سے گیا میں گزر نہیں

❁

اپنا کہنے کی کسی کو یہ سزا ٹھیک نہیں
بے سبب ہم سے اُلجھنا یہ ترا ٹھیک نہیں

بن گیا ہے وہ ترے شہر میں عبرت کا نشاں
اس قدر بھی یہ ترے جَور و جفا ٹھیک نہیں

تو کہ غیروں کی محبت کا جو دَم بھرتا ہے
اپنے پھر اپنے ہیں اپنوں کا گلہ ٹھیک نہیں

گنبدِ جسم میں کیسی ہیں دراڑیں، مولا!
بے نوائی کا مری یہ تو صلہ ٹھیک نہیں

کچھ تو پہلے ہی مسائل میں گھرے رہتے ہیں
اَب رویہ بھی ترا ہم سے ذرا ٹھیک نہیں

ہم نے ہر موڑ پہ رکھا ہے وفاؤں کا بھرم
ہم پہ الزام جفا، جانِ وفا ٹھیک نہیں

جس کا مقصد ہو فقط پیاس بڑھانا یونسؔ
کتنی دل کش بھی ہو ایسی تو گھٹا ٹھیک نہیں

رہ وفا کا مسافر ابھی تھکا تو نہیں
گو زخم زخم ہے لیکن کہیں رُکا تو نہیں

یہ کیا کیا ؟ مجھے مجھ سے ہی تم نے چھین لیا
مری وفا مری چاہت کا یہ صلہ تو نہیں

مجھے یقیں ہے کہ اک دن وہ لوٹ آئے گا
خفا ضرور ہے مجھ سے ، وہ بے وفا تو نہیں

ستم پہ اُس کے بھلا کیوں نہ احتجاج کریں
امیر شہر ہے یارو کوئی خدا تو نہیں

وہی ہوا نا! اُسے زندگی نے مار دیا
کہا تھا جس نے کبھی زندگی سزا تو نہیں

اُداس میرے لیے وہ بھی اس قدر یونسؔ
عجیب بات ہے ایسا کبھی ہوا تو نہیں

کیسے کہہ دوں کہ، ہوا کچھ بھی نہیں
جب کہ بارش میں بچا کچھ بھی نہیں

میری نس نس میں وفا ہے موجزن
اس کی نظروں میں وفا کچھ بھی نہیں

دیکھ سکتا ہے تو بے شک دیکھ لے!
درد جو اس نے دیا کچھ بھی نہیں

میرے دل میں تیری یادوں کے سوا
کچھ نہیں جانِ وفا کچھ بھی نہیں

بحرِ ہستی میں ہوں کب سے غوطہ زن
باوجود اس کے ملا کچھ بھی نہیں

بے سبب مجھ سے وہ روٹھا ہے جناب!
میں نے اس سے تو کہا کچھ بھی نہیں

رزق تو ان کو بھی دیتا ہے خدا
وہ جو کہتے ہیں خدا کچھ بھی نہیں

❁

عجیب دل ہے میری بات مانتا ہی نہیں
یہ پوجتا ہے اُسی کو جو دیوتا ہی نہیں

ہوئی ہے جس کے سبب شہر شہر رُسوائی
کمال یہ ہے کہ اُس شخص کو پتا ہی نہیں

جلا تو بیٹھا تھا اک دن میں تیری فرقت میں
چراغِ شامِ اَلم ہے کہ پھر بجھا ہی نہیں

یہ کیا کہ کر دیے بارش نے راستے مسدود
سفر پہ میں تو روانہ ابھی ہوا ہی نہیں

اُسی کو ڈھونڈتی رہتی ہیں مضطرب آنکھیں
خلوصِ دل سے کبھی شخص جو ملا ہی نہیں

کروں میں کس سے وہ منسوب کوئی بتلا دے!
وہ ایک درد کہ جس کی کوئی دوا ہی نہیں
ابھی سے رو پڑی کنجِ قفس کی تنہائی
ابھی تو حکمِ رہائی مجھے ملا ہی نہیں

❁

مجھ سے بے زار، ایک تُو ہی نہیں — ہیں سبھی یار، ایک تُو ہی نہیں
تجھ پہ ہی کیوں ہے مہرباں حاکم! — جب کہ فن کار، ایک تُو ہی نہیں
اچھے داموں بکیں گے خواب مرے — اب خریدار ایک تُو ہی نہیں
فکر مندی تری بجا، لیکن — غم سے دوچار، ایک تُو ہی نہیں
شکر ہے پیارے، شہر سارا ہے — میرا غم خوار، ایک تُو ہی نہیں
کچھ خبر ہے کہ دام میں اس کے — اے دلِ زار، ایک تُو ہی نہیں
ہم نے کچھ سوچ کر دیا ہے دل
ورنہ حق دار، ایک تُو ہی نہیں

❁

سب کے ہیں بے شکل چہرے مانتا کوئی نہیں
آئنے بھی کیا کریں جب دیکھتا کوئی نہیں
دو دلوں کے درمیاں یہ رابطہ تو دیکھیے!
گفتگو تو ہو رہی ہے، بولتا کوئی نہیں
وہ بھی دن تھے ہم سے تھیں جب شہر بھر کی رونقیں
یہ بھی دن ہیں اب ہمیں پہچانتا کوئی نہیں

جس طرح سے ہم نے تجھ سے پیار مانگا بھیک میں
اس طرح تو زندگی بھی مانگتا کوئی نہیں

دوسروں کی عیب جوئی میں سبھی مصروف ہیں
اپنے اندر میرے ہمدم! جھانکتا کوئی نہیں

وقت سے آگے نکلنے کا جنوں ہے اس قدر
اب تو پیچھے مڑ کے اپنے دیکھتا کوئی نہیں

اس سے بڑھ کر بے حسی اب اور کیا ہو گی بھلا!
ہر طرف ہے شور برپا، جاگتا کوئی نہیں

جا رہا ہے جو تمھارے شہر سے مت روکنا!
یوں صدا دینے سے یونسؔ لوٹتا کوئی نہیں

❁

بے گانۂ جہاں ہیں اے عشق، ہم کہاں ہیں!
اس کی سناؤ، یارو! ہم ٹھیک ہیں، جہاں ہیں

دِکھنے میں ہیں اکیلے ہم مثلِ کارواں ہیں
ٹوٹی ہے، کیا قیامت! چہرے دھواں دھواں ہیں

تم وجہ رشک ٹھہرے عبرت کا ہم نشاں ہیں
جو جان وارتے تھے وہ لوگ اب کہاں ہیں؟

نسبت ہے، شاہِ دیںؐ سے ہم فخرِ قدسیاں ہیں
دے کر صدا تو دیکھو!
ہم دُور ہی کہاں ہیں

رفتہ رفتہ خواب، ہوتی جا رہی ہیں چاہتیں نایاب، ہوتی جا رہی ہیں
ندیاں جو بہہ رہی ہیں خون کی کھیتیاں سیراب، ہوتی جا رہی ہیں
دل میں نفرت کا اندھیرا بڑھ رہا ہے صورتیں مہتاب ہوتی جا رہی ہیں
زندگی سے پیار ہوتا جا رہا ہے خواہشیں کم یاب ہوتی جا رہی ہیں
ناخداؤں کو کوئی پروا نہیں کشتیاں غرقاب ہوتی جا رہی ہیں

زندگی سے تصفیہ کرنے کو اب
حسرتیں بے تاب ہوتی جا رہی ہیں

ہم کو دیکھے بنا جب آپ گزر جاتے ہیں(۵)
ایک لمحے کو یقیں مانو کہ مر جاتے ہیں
رات ہوتی ہے تو خاموشیِ جاں ڈستی ہے
دن نکلتا ہے تو ہر چاپ سے ڈر جاتے ہیں
تیرے کوچے کے در و بام سمجھتے ہیں کہ ہم(۶)
سسکیاں لیتی ہے جب رات تو گھر جاتے ہیں
بے سبب جاں سے گزرنا تو بہت مشکل ہے
آپ کہتے ہیں تو ہم جاں سے گزر جاتے ہیں
حرمت لوح و قلم کے ہیں یہ وارث کیسے!
رات کو رات بھی لکھتے ہوئے ڈر جاتے ہیں

آنکھ لگتی ہے تو شاہوں کی طرح سوتے ہیں
آنکھ کھلتی ہے تو سب خواب بکھر جاتے ہیں
اب تو دنیا کا وتیرہ ہے سنبھل کر چلنا
جس طرف کی ہو ہوا ، لوگ اُدھر جاتے ہیں
شہر کا شہر تو شیدائی ہے تیرا، ورنہ
تجھ سے فنکار تو گُم نام ہی مر جاتے ہیں

❁

دوستو! آؤ ذرا سوچتے ہیں — کیا ہوئی رسمِ وفا سوچتے ہیں
وہ بھی سوچے ہمیں وہ دن آئے — ہم اسے صبح و مسا سوچتے ہیں
نہ ہوا ہے، نہ دریچہ ہے کھلا — کیوں بجھا گھر کا دیا سوچتے ہیں
ہاتھ پر بیٹیوں کے اے مولا — کب کھِلے رنگِ حنا سوچتے ہیں
حشر تو دِل ہی بپا کرتا ہے — ہم تو بس اُس کو ذرا سوچتے ہیں
ہم سے جس شخص نے نفرت کی ہے — ہم تو اس کا بھی بھلا سوچتے ہیں
بات اچھی ہے یہ بھی اے لوگو — ہم اگر کر کے خطا سوچتے ہیں
اپنے ہر کام میں آڑے آئی — کیوں ہے تقدیر خفا، سوچتے ہیں
صرف دیکھا تھا کہا کچھ بھی نہ تھا
کیوں ہوا حشر بپا سوچتے ہیں

❁

وہ جو بے سمت چلا کرتے ہیں — دُور منزل سے رہا کرتے ہیں

جن کے رَہبر ہوں لٹیرے، لوگو! قافلے یونہی لٹا کرتے ہیں
وہ جو اپنوں نے دیے ہوں اکثر زخم تازہ ہی رہا کرتے ہیں
ملنے جلنے سے ہی مرے ہمدم! رشتے مضبوط ہوا کرتے ہیں
کس کی جرأت ہے زباں کو کھولے وہ جو بولے تو سنا کرتے ہیں

جن کے ہونٹوں پہ تبسم کھیلے
ایسے لوگوں سے بچا کرتے ہیں

❁

کب مرا احترام کرتے ہیں احتیاطاً سلام کرتے ہیں
خیر مقدم، اداس لوگوں کا ہم بصد احترام کرتے ہیں
تب کہیں جا کے شعر ہوتا ہے خود پہ نیندیں حرام کرتے ہیں

ہم میں کتنے ہیں جو کتاب اپنی
غم کے ماروں کے نام کرتے ہیں

❁

کام مشکل ہے، کرتے رہتے ہیں زندہ رہنے کو مَرتے رہتے ہیں
اپنا سایہ بھی اپنا ہوتا ہے ایک ہم ہیں کہ ڈرتے رہتے ہیں
ڈستی رہتی ہے گھر کی تنہائی لمحہ لمحہ بکھرتے رہتے ہیں
ہم پہ رہتی ہے جب تلک وہ نظر زخم سینے کے بھرتے رہتے ہیں
رات بھر اس کی مانگ بھرنے کو چاند تارے اترتے رہتے ہیں

چلتے رہتے ہیں قافلے دل کے
سَر سے طوفاں گزرتے رہتے ہیں

کچھ اس طرح اُسے دل سے بھلا کے بیٹھے ہیں
کہ جیسے خود کو سزائیں سنا کے بیٹھے ہیں

بجھانے آئے ہیں شاید وہ پیاس برسوں کی
کنارِ آب جو خیمے لگا کے بیٹھے ہیں

اگرچہ خشک ہیں آنکھیں مگر یقین کرو
کسی کی یاد میں آنسو بہا کے بیٹھے ہیں

چکا ہی دیں گے کسی دن یہ قرض ہستی بھی
ابھی تو قرضِ محبت چکا کے بیٹھے ہیں

یہی ہے رستہ یقیناً تمھاری بستی کا
ہر ایک موڑ پہ دشمن وفا کے بیٹھے ہیں

ہمیں تو دیکھو کہ اک بے وفا کی چاہت میں
تمام شہر کو دشمن بنا کے بیٹھے ہیں

اب اور کیا کریں اے عشق ہم تری خاطر
ابھی تو موت سے نظریں ملا کے بیٹھے ہیں

اُسے خبر ہی نہیں ہے، وگرنہ آ جاتا
فصیل کب سے اَنا کی گرا کے بیٹھے ہیں

یہ بات مسلّم ہے وہی لوگ بڑے ہیں(۷)
ہر دور میں جو لوگ اُصولوں پہ اڑے ہیں

وہ جس سے کہ انصاف کی اُمید نہیں ہے
ہم ایسی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں

کترا کے گزرتے ہیں ترے گھر سے ہمیشہ
پاگل بھی تیری بستی کے ہشیار بڑے ہیں

ایسی بھی نہیں بات کہ ہم دھوپ کے ڈر سے
اب تک تیری دیوار کے سائے میں پڑے ہیں

اب حسن کے دریا میں کہاں پہلی روانی
اب عشق کے ہاتھوں میں کہاں کچے گھڑے ہیں(۸)

ہم اپنے مفادات سے غافل نہیں رہتے
دعویٰ تو ہمارا بھی ہے نادان بڑے ہیں

کس طرح کی اس شہر پہ اُفتاد پڑی ہے
ہوتا ہے گماں ہم کسی جنگل میں کھڑے ہیں

مانا کہ مہارت ہے اُسے شیشہ گری میں
کیا اُس نے کبھی شیشے میں پتھر بھی جڑے ہیں

❁

یہ جو آنکھوں کے گرد ہالے ہیں
ہجر کے مستند حوالے ہیں

تیری آنکھیں تو دیکھتی ہوں گی
میری آنکھوں نے خواب پالے ہیں

ہم نہ توڑیں تو کون توڑے گا
یہ جو ہونٹوں پہ اپنے تالے ہیں

جتنے اوصاف کا ہے حامل تو
تیرے اپنوں پہ کھلنے والے ہیں

دن میں تارے دکھا دیئے ہیں مجھے آپ ویسے تو بھولے بھالے ہیں
جن کو بخشے تو درد کی دولت میرے مولا! وہ بخت والے ہیں
ایک بھوکے کی کیا انا، یونسؔ!
اس کی قیمت تو کچھ نوالے ہیں

❁

وہ جو گیسو سنوارنے لگ جائیں لوگ صدقہ اتارنے لگ جائیں
حسن وہ حسن دیکھتے ہی جسے پھول دامن پسارنے لگ جائیں
جاں کا جانا تو پھر یقینی ہے ہم جو اس کو پکارنے لگ جائیں
ہنس کے ملنا تو اس کی عادت ہے لوگ شیخی بگھارنے لگ جائیں
قرضِ الفت اتارتے ہی ہم قرضِ ہستی اتارنے لگ جائیں
زہر دے کر کہیں یہ فاقہ کش
اپنے بچے نہ مارنے لگ جائیں

❁

یہی ہے زندگی تو رہے گی بے کلی تو!
ہے واجب ربّ کو سجدہ اگر ہو ہر کوئی تو!
محبت کے اے منکر محبت ہو گئی تو
اگرچہ گھر جلا ہے ہوئی کچھ روشنی تو
ابھی سے رو پڑے تم کہانی چھیڑ دی تو!
تمھیں بھی کھو ہی دے گی رہی، آوارگی، تو

مرے دل میں بھی جھانکو! ملے فرصت کبھی، تو!
ہے جس کا منتظر، تُو کرے نہ بات بھی تو!
نہ جانے کیا بنے گا
نہ مانی زندگی، تو!

بالفرض تجھے گھر کو گرانا ہی پڑے تو! بالفرض اسے پھر سے بنانا ہی پڑے تو!
بالفرض کسی طور نہ مانے دل مضطر بالفرض جفا جُو کو منانا ہی پڑے تو!
بالفرض تجھے سمجھے جو کم تر یہ زمانہ بالفرض ترے پاؤں زمانہ ہی پڑے تو!
بالفرض ترے گھر میں کئی دن کا ہو فاقہ بالفرض یہی بھید چھپانا ہی پڑے تو!
بالفرض تجھے ڈر ہو کہ دستار گرے گی بالفرض تجھے سر کو جھکانا ہی پڑے تو!
بالفرض پلٹ آئے کوئی ملک عدم سے بالفرض یقیں خود کو دلانا ہی پڑے تو!
بالفرض تجھے سود سے نفرت ہو بلا کی بالفرض تجھے قرض اٹھانا ہی پڑے تو!
بالفرض کوئی سمجھے نہ الفت کی زباں بھی بالفرض اسے راہ پہ لانا ہی پڑے تو!
بالفرض ترے ساتھ کوئی شخص نہ نکلے بالفرض تجھے حشر اٹھانا ہی پڑے تو!
بالفرض تجھے مان ہو، خودداری پہ یونسؔ
بالفرض درِ غیر پہ جانا ہی پڑے تو

خود سے انجان کر رہا ہے تُو گویا احسان کر رہا ہے تُو
غیر سے رسم و راہ، مجھ سے گریز ہاں، مری جان کر رہا ہے تُو

سوچ لے! اک غریب شخص کے ساتھ عہد و پیمان کر رہا ہے تُو
کہہ بھی دے بات جو ہے دل میں ترے کیوں پریشان کر رہا ہے تُو
چھوڑ کر ہم فقیر لوگوں کو اپنا نقصان کر رہا ہے تُو
مجھ سے پردہ، رقیب کو جلوہ کس کو کیا دان کر رہا ہے تُو
بے رخی، ہجر اور غم ہی غم
کتنے احسان، کر رہا ہے تُو

❁

تلخ لہجہ، نہ آنکھیں لال کرو! جاں بہ لب ہوں ذرا خیال کرو!
عمر بھر کون ساتھ دیتا ہے خود کو اس طرح مت نڈھال کرو!
فکرِ ہستی ہی اب تو کافی ہے فکرِ فردا نہ فکرِ حال کرو!
ہجر میں لوگ مر بھی جاتے ہیں مر نہ جاؤں میں کچھ خیال کرو!
نہ سہی مجھ سے واسطہ لیکن میرا جینا تو نہ محال کرو!
بھولتے جا رہے ہو خود کو تم رابطہ خود سے پھر بحال کرو!
زندگی کیا ہے میں بتاتا ہوں اہل زر سے نہ یہ سوال کرو!
بھول جاؤ کہ آشنا تھے ہم
یاد گزرے نہ ماہ و سال کرو!

❁

کچھ بھی ہو جائے یہ خطا نہ کرو! بے وفا سے کبھی وفا نہ کرو!
جب بھی ملتے ہو رنج دیتے ہو اس سے بہتر ہے تم ملا نہ کرو!

غم کے مارے ہیں رو پڑیں نہ کہیں
غم کے ماروں سے کچھ کہا نہ کرو!

یہ تو بستی ہے بت پرستوں کی
میری مانو، خدا خدا نہ کرو!

ٹوٹ کر یہ بکھر نہ جائے کہیں
روبرو اس کے آئنہ نہ کرو!

کیا کہا! کس لیے اداس ہیں ہم
اتنے انجان بھی بنا نہ کرو

پاس رہ کر بھی دور رہتے ہو
یہ کرم ہے تو پھر، کیا نہ کرو!

دردِ دل تو خدا کی نعمت ہے
دردِ دل کی کبھی دوا نہ کرو!

دل کی بیتابیوں کا اندازہ
صرف چہروں سے تم کیا نہ کرو!

دوستی ہو، یا دشمنی، یونسؔ
اپنے معیار سے گرا نہ کرو!

❁

اب تو لگتا ہے باخدا مجھ کو
مجھ سے کر دے گا وہ جدا مجھ کو

جب یہ پوچھا کہ کیا ہوئے وعدے
ہنس کے بولا کہ کیا پتا مجھ کو

زندگی تک تو سونپ دی تجھ کو
اور کیا چاہیے بتا مجھ کو

میری حالت تھی دیکھنے والی
جب کہا اس نے بھول جا مجھ کو

لمحہ لمحہ ہے موت کا لمحہ
اور کیا دے گا تو سزا مجھ کو

اب نہ دیکھوں چراغ گھر میں ترے
کہہ گئی کان میں ہوا مجھ کو

❁

دور مجھ سے وہ کیا ہوا، لوگو!
خود سے رہتا ہوں دور سا، لوگو!

اتنا کب تھا، وہ بے خبر مجھ سے جتنا اب ہے وہ با وفا، لوگو!
ایک رَہ زَن کی رہنمائی میں کیسے لٹتا نہ قافلہ، لوگو!
کس قدر شہر میں ہے خوف و ہراس شہر میں آئی کیا بلا، لوگو!
کس نے اتنا ستم یہ ڈھایا ہے حشر برپا ہے جا بہ جا، لوگو!
اور کرتے ہی کیا یہ حاکم بھی جینا مشکل تو کر دیا، لوگو!
توبہ توبہ مزاجِ شہرِ ستم چپ ہی رہنے میں ہے بھلا لوگو!
کون کاٹے گا اب یہ دستِ ستم ہو چلی اب تو انتہا، لوگو!

ملک پہلے کہ جان ہے پہلے
کرنا ہوگا یہ فیصلہ، لوگو!

❁

پاؤں پڑتی ہے زندگی، لوگو! ورنہ کر لوں میں خود کشی، لوگو!
ایسا لگتا ہے موت سے پہلے مار ہی دے گی زندگی، لوگو!
دل گرفتہ ہی ہم نے پایا ہے ہم نے جس جس سے بات کی، لوگو!
اور کچھ دن نہ گر مداوا ہوا ہم پہ روئے گی بے بسی، لوگو!
کم ہی آتی ہے راس رہنے دو ہم فقیروں کی دوستی، لوگو!

قتل کر دیں گے دیکھنا اک دن
اس کو اس کے حمایتی لوگو!

❁

حسن عیار، اس قدر بھی نہ ہو عشق لاچار، اس قدر بھی نہ ہو

رستہ ہموار اس قدر بھی نہ ہو یعنی، دشوار، اس قدر بھی نہ ہو
اپنے رازق سے ہی الجھتا رہے کوئی بے زار، اس قدر بھی نہ ہو
خار کو خار بھی نہ سمجھیں ہم! پھول سے پیار، اس قدر بھی نہ ہو
توبہ توبہ کریں، درندے بھی بندہ خوں خوار اس قدر بھی نہ ہو
جس قدر ہے وہ روٹھ کر مجھ سے
پرسکوں یار اس قدر بھی نہ ہو

❁

آ گئی کام خود سری، ورنہ مار دیتی یہ زندگی، ورنہ
شکریہ چیختی ہواؤں کا ڈستی رہتی یہ خامشی، ورنہ
اُس کے رُخ سے نقاب سرکا ہے گنگناتی نہ چاندنی، ورنہ
وہ تو دل نے ہمیں تھا اُکسایا کیا ضرورت تھی آپ کی ورنہ
اک بھی مصرعے میں رنگ میرؔ نہیں خوں رُلاتی یہ شاعری، ورنہ
اُس کے دل میں فتور تھا یونسؔ
مجھ سے کرتا وہ بات بھی ورنہ

❁

راہِ وفا میں جاں سے گزرنے کے بعد بھی(۹)

جیتے ہیں لوگ شان سے مرنے کے بعد بھی
اتنی شدید پیاس تھی ، دریا کے پاس ہم
بیٹھے رہے تھے پانی اُترنے کے بعد بھی
وحشت سے کانپتے رہے کچھ لوگ دیر تک
سیلِ بلا سروں سے گزرنے کے بعد بھی

کیوں دل کے در پہ دستکیں دیتا ہے بار بار
اک شخص میرے دل سے اُترنے کے بعد بھی
آیا نظر نہ کوئی بھی اپنے سوا مجھے
دشت وفا میں چاپ اُبھرنے کے بعد بھی
ممکن ہے آ بسے مرے دل میں وہ ایک دن
انکار میری ذات سے کرنے کے بعد بھی
اک عمر انتظارِ سحر میں گزار دی
ہم نے سیاہ رات گزرنے کے بعد بھی
اے شہر بے وفا! تجھے اب تو گلہ نہیں
چپ چاپ جی رہے ہیں بکھرنے کے بعد بھی
صحن چمن میں بڑھتی رہی پھر بھی تیرگی
بامِ فلک سے چاند اُترنے کے بعد بھی
ہم مقصد حیات سے یونسؔ ہیں بے خبر
افسوس ایک عمر گزرنے کے بعد بھی

❁

زندگی گر مان جاتی رائیگاں نہ جان جاتی
نہ وہ جاتا دور مجھ سے نہ میری پہچان جاتی
کاش دل سے یادِ یار خواب کے دوران جاتی
بک گئے وارث وگرنہ جاں کے بدلے جان جاتی
نیتِ سلطان، یونسؔ
کاش خلقت جان جاتی

اس بے وفا کے سامنے آنے کی دیر تھی
یعنی، ہمارے جان سے جانے کی دیر تھی

ایسی چلی ہوا کہ دیے سب بجھا گئی
بزمِ خیالِ یار سجانے کی دیر تھی

پھر یوں ہوا کہ گردشِ دوراں نے آ لیا
دامن کسی کے غم سے چھڑانے کی دیر تھی

اس شہر کم شناس میں اک حشر تھا بپا
کچھ سرپھروں کے ہوش میں آنے کی دیر تھی

پھر یوں ہوا کہ خود کو ہمیں ڈھونڈنا پڑا
ہاتھوں سے اپنے،اُس کو گنوانے کی دیر تھی

اک ذرا آندھی چلی تھی تنکا تنکا جھونپڑی تھی
مستقل نہ عارضی تھی بے یقیں سی روشنی تھی
ہر طرف تھی موت رقصاں زندگی بکھری پڑی تھی
سجدہ گاہ ِعاشقاں میں پابجولاں بندگی تھی
جل رہی تھی دل کی بستی اور بارش ہو رہی تھی
ایک ننھا سا دیا تھا جان لیوا تیرگی تھی
پھر وہی سڑکوں پہ پھرنا پھر وہی آوارگی تھی

جا چکا جب جانے والا دل کی حالت دیدنی تھی
کیا ہوئی آخر وہ یونسؔ
مہربان جو زندگی تھی

❁

شہر بھر سے دشمنی مہنگی پڑی(۱۰) یعنی تجھ سے دوستی مہنگی پڑی
کیا عجب دستور ہے اس شہر کا جب بھی سچی بات کی مہنگی پڑی
ہر قدم پر اس قدر یہ احتیاط! زندگی سے آگہی، مہنگی پڑی
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اپنے آپ کو بے سبب آوارگی مہنگی پڑی
کیا کرو گے پوچھ کر رہنے بھی دو کس قدر یہ خامشی مہنگی پڑی
کچھ نہیں تو اک انا تو پاس تھی اہل زر سے دوستی مہنگی پڑی
اس وفا نے جان تیری مانگ لی(۱۱) یہ تو یونسؔ واقعی مہنگی پڑی

❁

ہواؤں میں یہ آخر تلخیاں کب تک رہیں گی؟
پرندوں پر خدایا! سختیاں کب تک رہیں گی؟
ہمیں ڈستے رہیں گے کب تلک یہ ناگ غربت کے
خدائے بحر و بر! مجبوریاں کب تک رہیں گی؟
خدایا! آ چکی ہے جن کے بالوں میں سفیدی
وہ یوں بیٹھی گھروں میں بیٹیاں کب تک رہیں گی؟
تمھیں جو فکر ہے ہر پل یہاں پر اپنے ناموں کی
کبھی سوچا! دروں پر تختیاں کب تک رہیں گی؟

کسی دن چھوڑ جائیں گی دلِ خستہ کو یادیں
کہ بجھتی راکھ میں چنگاریاں کب تک رہیں گی؟
اُٹھانی ہیں اگر تو نے اُٹھا لے آج ہی ورنہ
کناروں پر پڑی یہ سیپیاں کب تک رہیں گی؟
بظاہر ٹھیک لگتی ہیں مگر ہیں کرم خوردہ بھی
سہارا یہ ترا بیساکھیاں کب تک رہیں گی؟
اُجالا بانٹنے والے جہاں بھر میں بتا مجھ کو
مرے گھر میں یونہی تاریکیاں کب تک رہیں گی؟
نہ ان کا دیس ہے یونسؔ نہ ان کی منزلیں ہیں
تمھارے سر پہ ایسے بدلیاں کب تک رہیں گی؟

❁

تجزیہ آپ کا بجا ہی سہی
لوگ اچھے ہیں، میں برا سہی
اس کی چاہت سے فیض یاب یہاں
ہم نہیں، کوئی دوسرا ہی سہی
مجھ پہ ہنسنا تو چھوڑ دے ظالم!
ظلم کرنا تری ادا ہی سہی
جاں کو میری ہے آ گیا یہ شہر
ہاتھ میں میرے آئنہ ہی سہی
ہم تو جیتے ہیں دیکھ کر اس کو
چہرہ بے شک وہ عام سا ہی سہی
کیا یہ کم ہے نظر تو آیا وہ
نہ سہی میرا غیر کا ہی سہی
ہم پہ واجب ہے احترام اس کا
زندگی لاکھ بے وفا ہی سہی
کسی صورت اسے منانا ہے
نہ سہی پیار، التجا ہی سہی

کیوں تماشا بنا دیا ہے اسے غم میں میرے وہ مبتلا ہی سہی
آزمانے کے باوجود بھی وہ گر خفا ہے تو پھر خفا ہی سہی

جس نے بخشا ہے خوش رہے یونسؔ
درد بے شک یہ لادوا ہی

واہمہ تھا، نہ خواب تھا کوئی آپ کا ہم رکاب تھا کوئی
ہم نے تو آئنہ دکھایا تھا شرم سے آب آب تھا کوئی
لفظ گویا غلام تھے اس کے کتنا حاضر جواب تھا کوئی
روند ڈالے تھے دل زمانے کے کیسا مستِ شباب تھا کوئی
تم نے کیوں کر نہ احتجاج کیا؟ ظلم سہنا ثواب تھا کوئی؟
سچ بتانا کہ دشتِ الفت میں مجھ سا خانہ خراب تھا کوئی؟
ہونے والے تھے خیر و شر یکجا اور کھلنے کو باب تھا کوئی
جس حقارت سے اس نے دیکھا تھا شاید عزت مآب تھا کوئی
تھا بظاہر تو اک بگولا سا در حقیقت عذاب تھا کوئی

کیوں نہ کرتا وہ خود کشی یونسؔ
کب سے زیرِ عتاب تھا کوئی

مجھے درکار تھا کوئی گلے کا ہار تھا کوئی
ادھر آواز تھی کس کی اگر اس پار تھا کوئی

وہ دن بھی تھے، مرے دل کا کبھی مختار تھا کوئی
میسر تھا اسے تو میں اسے درکار تھا کوئی
بھری دنیا میں تنہا ہوں مرا بھی یار تھا کوئی
ہوا کیوں سرنگوں شملہ اگر سردار تھا کوئی
ملی دستار ہے کس کو مگر حق دار تھا کوئی
اگر تم جاں طلب کرتے مجھے انکار تھا کوئی!
کبھی تو بات سن لیتا
اگر غم خوار تھا کوئی

❁

ہم زباں ہے نہ ہم نوا ہے کوئی اِس سے بڑھ کر بھی کیا سزا ہے کوئی؟
یہ تو شیوہ ہے ہم فقیروں کا ورنہ غم بھی خریدتا ہے کوئی؟
کچھ سبب تو ضرور ہے ، ورنہ گھر کا رستہ بھی بھولتا ہے کوئی؟
کتنی تلخی ہے ترے لہجے میں! حالِ دل یوں بھی پوچھتا ہے کوئی؟
اُس کو شائد ڈسا ہے انساں نے ورنہ سانپوں کو پالتا ہے کوئی؟
جانے کیوں شہر سارا دشمن ہے حق پرستی بھی کیا خطا ہے کوئی ؟
اس کی ہو گی کوئی تو مجبوری ورنہ خوابوں کو بیچتا ہے کوئی؟
صورتِ خواب میری آنکھوں میں سو بھی جاؤں تو جاگتا ہے کوئی؟
اک توجہ کی بس ضرورت ہے
اُس سے ملنا بھی مسئلہ ہے کوئی!

یہ بارِ گراں آج اٹھا کیوں نہیں لیتے
تم اہل وفا! غم کا مزا کیوں نہیں لیتے

اعزاز وفا، جان وفا، کیوں نہیں لیتے
معصوم محبت کی دعا کیوں نہیں لیتے

تم جس کی سر بزم برائی نہیں سنتے
تم اپنے قریب اس کو بٹھا کیوں نہیں لیتے

ٹکراتے ہو تم جن سے شب و روز برابر
پتھر ہی وہ رستے کا ہٹا کیوں نہیں لیتے

چاہو جو کسی جسم کی خوشبو سے لپٹنا
احساں کسی جھونکے کا اٹھا کیوں نہیں لیتے

دیکھی ہی نہیں جاتی ان آنکھوں میں اداسی
روٹھے ہوئے لمحات منا کیوں نہیں لیتے

گر تم کو تمنا ہے اجالوں کی تو یونسؔ
تم چاند ستاروں سے ضیا کیوں نہیں لیتے

کون کہتا ہے، گھر نہیں ہوتے — جن کے دیوار و در نہیں ہوتے
چند لمحے بَسر نہیں ہوتے — عمر گزرے گی بن ترے کیسے!
جن کے جسموں پہ پَر نہیں ہوتے — وہ بھی کرتے ہیں بات اڑنے کی

کون اپنا ہے، کون بے گانہ! اہل دل بے خبر نہیں ہوتے
ہم نے دیکھا ہے ان کی محفل میں
لوگ ہوتے ہیں، پَر نہیں ہوتے

❁

لوگ غم خوار ہُوا کرتے تھے جب ملن سار ہُوا کرتے تھے
یہ جو پھرتے ہیں آج کاسہ بدست کتنے خودار ہُوا کرتے تھے
ہم سمجھتے ہیں تیرے مکر و فریب ہم بھی ہشیار ہوا کرتے تھے
تیری باتیں تو لوگ سنتے تھے ہم تو سرشار ہُوا کرتے تھے
مہرباں ہم پہ چشم مست رہی ہم بھی مے خوار ہُوا کرتے تھے
وہ بھی دن تھے کہ ایک دوجے کے ہم طرف دار ہُوا کرتے تھے
شہر سارا تھا ہم نوا یونسؔ
جب خطا کار ہُوا کرتے تھے

❁

ایک دشمن نیا بنا بیٹھے(۱۲) آئنہ کیا اُسے دِکھا بیٹھے
جو بھی بولے زباں کٹا بیٹھے تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے
پہلے کہتے تو لوٹ بھی آتے اب تو ہم کشتیاں جلا بیٹھے
عین اُس وقت بجلیاں ٹوٹیں جب پرندے شجر پہ جا بیٹھے
کچھ خبر ہے کہ تیرا دروازہ تکتے رہتے ہیں کچھ گدا بیٹھے
اُس کو دنیا سلام کرتی ہے ہم فقیروں میں جو بھی آ بیٹھے

ہو بُرا مفلسی کا جس کے سبب
کتنے یاروں کو ہم گنوا بیٹھے

❁

ہر زاویے سے روز ہی پرکھا گیا مجھے (۱۳)
لیکن یہ کیا کہ پھر بھی نہ مانا گیا مجھے

نکلا ہوا ہوں کب سے میں اپنی تلاش میں
اوجھل ہی میری ذات سے رکھا گیا مجھے

اے شہرِ معجزات کے لوگو! میں کیا کہوں!
گرنے سے پہلے کیوں نہ سنبھالا گیا مجھے

اس عہدِ کم شناس پہ ہنسنا بھی جرم ہے!
پاگل اسی بنا پہ ہی سمجھا گیا مجھے

دیکھی گئی نہ اُس سے بھی جو تشنگی مری
دریا کی سمت تب لیے صحرا گیا مجھے

پہلے تو صرف اُنگلیاں اُٹھتی تھیں دوستو!
اس بار اُس گلی سے نکالا گیا مجھے

ماتم کناں ہے جذبِ جنوں میرے حال پر
شیشے میں اس طرح سے اُتارا گیا مجھے

مجھ کو تھکن نے کر دیا اتنا نڈھال کہ
گھر تک کسی کے چھوڑنے رستہ گیا مجھے

اُس وقت تو کہاں تھی اری موت کچھ بتا!
جب زندگی کے ہاتھ سے مارا گیا مجھے

یونس گلی میں اس گھڑی دیکھا ضرور ہے
لہجے میں اُس کے جب بھی پکارا گیا مجھے

❁

لوگ کرتے ہیں شرمسار مجھے
دشمنوں میں نہ کر شمار مجھے

اے محبت! تری بقا کے لیے
اور مرنا ہے کتنی بار مجھے؟

تیری بستی، میں چھوڑ بھی جاتا
دل پہ ہوتا جو اختیار مجھے

کتنا خوش ہے وہ دیکھنا اُس کو
موت سے کر کے ہمکنار مجھے

توبہ کرنا تھی حق پرستی سے یوں بھی ہونا تھا ذی وقار مجھے
کتنا اچھا تھا! ہر حوالے سے جب ملا تھا وہ پہلی بار مجھے
کون کیا ہے؟ یہ بھول کر یونسؔ
خود بھی ہونا ہے آشکار مجھے

دیکھ لیتا، اگر بغور مجھے غم نہ دیتا کسی بھی طور مجھے
بزم ہے غیر کی، تُو کچھ بھی کہے راس آئے گا چپ کا دور مجھے
کر سکے ہیں نہ، کر سکیں گے کبھی دور تجھ سے ترے یہ جور مجھے
مجھ کو بھائی! فریدؒ کی نگری
اب نہیں جانا کہیں اور مجھے

سوچ پر بار سمجھتے ہیں مجھے کیوں وہ آزار سمجھتے ہیں مجھے
تو نے اتنا بھی نہ سمجھا مجھ کو جتنا اغیار سمجھتے ہیں مجھے
کل تلک میں تھا جان محفل کی آج بے کار سمجھتے ہیں مجھے
کیا خبر دوں کہ گم ہوں میں خود ہی لوگ اخبار سمجھتے ہیں مجھے
رات کو دن بھلا میں کیسے کہوں جانے کیا یار سمجھتے ہیں مجھے
سونا لگتی ہیں چمکتی چیزیں
آپ ہشیار سمجھتے ہیں مجھے

فیصلہ ہجر کا سنا کے مجھے خوب رویا گلے لگا کے مجھے
خوف کیسا، دیئے جلا کے مجھے رستے معلوم ہیں ہوا کے مجھے
اہلِ دل نے بھی ان سنی کر دی کیا ملا داستاں سنا کے مجھے
یہ بھی اعزاز کوئی کم تو نہیں آپ ملتے ہیں مسکرا کے مجھے
کیا پڑی مجھ کو اعتراض کروں
آپ خوش ہیں اگر بھلا کے مجھے

اس کی خاطر یہ بھی کرنا ہے مجھے عہد و پیماں سے مکرنا ہے مجھے
جس کی لہروں سے بھنور تخلیق ہوں ایسے دریا میں اترنا ہے مجھے
کچھ اجالوں سے بھی رکھنا ہے گریز کچھ اندھیروں سے بھی ڈرنا ہے مجھے
میری ہستی تو فقط ہے مشتِ خاک یہ مسلّم ہے، بکھرنا ہے مجھے
ننگے پاؤں چلچلاتی دھوپ میں غم کے صحرا سے گزرنا ہے مجھے
یونسؔ، اس کے پیار کے اقرار کا
ارتکابِ جرم کرنا ہے مجھے

اس دردِ آگہی کا بھی احساس ہے مجھے بے کیف زندگی کا بھی احساس ہے مجھے
میں گھر کی تیرگی سے بھی غافل نہیں مگر باہر کی روشنی کا بھی احساس ہے مجھے
وہ جس کی دوستی پہ بڑا ناز تھا کبھی اب اس کی دشمنی کا بھی احساس ہے مجھے

رختِ سفر اگرچہ ہے برسوں کا میرے پاس دو دن کی زندگی کا بھی احساس ہے مجھے
غیروں کی سازشوں نے جو کرنا تھا کر لیا اپنوں کی بے حسی کا بھی احساس ہے مجھے

کیسے اٹھاؤں ہاتھ میں بارش کے واسطے
گھر کی شکستگی کا بھی احساس ہے مجھے

❁

پیرہن عشق کا پہنے ہوئے سارے بندے
کیا ہوئے جو تھے یہاں جان سے پیارے بندے!
کتنے پیارے ہیں مری آنکھ سے دیکھو تو سہی
خاک میں لتھڑے ہوئے ہجر کے مارے بندے
جانے کیوں مجھ کو لگیں خود سے کہیں بہتر وہ
لہریں گنتے ہوئے دریا کے کنارے بندے
تیرگی بڑھتی رہی یونہی تو اندیشہ ہے
نوچ ہی لیں نہ کہیں چاند ستارے بندے
بے حسی کا مری بستی میں یہ عالم ہے کہ اب
چھین لیتے ہیں انا، دے کے سہارے بندے
مر گئے وہ بھی ترے ہاتھ سے اک دن آخر
زندگی جو تھے تری آنکھ کے تارے بندے
کتنا کم ظرف ہے جلتا ہے فقیروں سے ترے
خود جو سنورا نہیں اب وہ بھی سنوارے بندے

شہر سارا بھی گر دُہائی دے　　بہرے حاکم کو کیا سنائی دے
کل تلک پیشوائے رنداں تھا　　آج جو درسِ پارسائی دے
جان چھوٹے یہ روز مرنے سے　　اب کے تو مستقل جدائی دے!
میں کہ، طالب ہوں ایسی صورت کا　　جب پکاروں مجھے دکھائی دے
شام ڈھلتے ہی عہد رفتہ کی　　دیر تک چاپ سی سنائی دے
نہ ملا کوئی دشتِ الفت میں　　جو مجھے ذوقِ آشنائی دے
اک مسافر ہوں راہِ الفت کا　　اپنے دل تک مجھے رسائی دے!
ہاں وہ درویش ہے یہاں جس کو　　اَن کہی بات بھی سنائی دے

گر یہ بستی ہے حق پرستوں کی
پھر تو حق ہر طرف دکھائی رے

دل کو وقف ملال، رہنے دے!　　غم سے رشتہ بحال، رہنے دے!
بات کر کوئی دنیاداری کی　　ذکرِ حسن و جمال، رہنے دے!
یہی بہتر ہے، شاعرِ گمنام!　　شہرتوں کے وبال، رہنے دے!

دل کے حالات پوچھ لے فی الحال
باقی سارے سوال، رہنے دے

کچھ دنوں سے یہ حال ہے پیارے!　　جینا مرنا محال ہے پیارے!

زندگی کیا ہے ، کیا کہوں تم سے ایک مشکل سوال ہے، پیارے!
ڈوبی ڈوبی ہیں وقت کی نبضیں لمحہ لمحہ نڈھال ہے پیارے!
چھو کے دیکھا ہے روشنی کا وجود مجھ کو حاصل کمال ہے پیارے!
جل کے بجھنا تو کوئی بات نہیں جلتے رہنا کمال ہے پیارے!
خود ہی بخشی ہیں دُوریاں مجھ کو پھر یہ کیسا ملال ہے پیارے!

کون کہتا ہے، شعر کہتا ہوں
یہ تو تیری مقال ہے پیارے!

❁

صورتِ اخبار، چہرے باعثِ آزار، چہرے
واقعی معصوم ہیں، جو رہ گئے دوچار چہرے
کون آیا تھا چمن میں کھل اٹھے یک بار چہرے
جھریوں سے جو بھرے ہیں تھے کبھی گلنار چہرے
معجزوں کے منتظر ہیں ہائے وہ لاچار چہرے
کیا کریں عیسٰی نَفَس بھی ہر طرف بیمار چہرے

گل رخوں کے شہر میں
اس قدر بے زار چہرے

❁

تُجھ سے دُور ہوئے ہیں جب سے رفتہ رفتہ ہو گئے، سب سے
اپنی ذات سے ہم نہ نکلے ڈھونڈ رہے ہیں، رستہ کب سے

کب سے تجھ کو دیکھ رہا ہے ایک ستارہ گوشۂ شب سے
تیری بزم میں آ ہی گئے ہیں دیکھ ہمیں نہ غیظ و غضب سے
کس نے زرد سا موسم بانٹا دیکھو سب ہیں جان بہ لب سے
کب سے وہ خاموش کھڑا ہے کچھ تو بولو اپنے لب سے
قسمت ہی جب ساتھ نہ دے تو کیسے مانگوں تجھ کو رب سے

یونس کی پہچان جو بنتا
اک بھی شعر کہا نہ ڈھب سے

وہ آبلہ پا شخص جو گزرا تھا اِدھر سے ''لوٹا نہیں اب تک وہ محبت کے سفر سے''
یہ آبِ رواں اُس کے کبھی زیرِ نگیں تھا صحرا میں کھڑا شخص جو اِک بوند کو ترسے
تم جس سے ہراساں ہو پریشاں ہو مسلسل گزرا تھا یہ طوفان کبھی میرے بھی سر سے
وہ جس کے برسنے سے کھلیں پیار کی کلیاں بادل کوئی ایسا بھی زمیں پر مری برسے
مانا کہ ہیں الفاظ ترے لعل و جواہر یہ پیٹ تو بھرتا نہیں لفظوں کے ہنر سے
ہر شام بے ہنگم سے چلے آتے ہیں سائے اعلان یہ ہوتا ہے کوئی نکلے نہ گھر سے

یونسؔ جو اندھیروں سے کبھی پالا پڑا ہے
تاروں سے ضیا مانگی کبھی شمس و قمر سے

کرتا رہا منسوب خطاؤں کو جو ہم سے نکلا نہیں کافر وہ ابھی دل کے حرم سے
حیرت ہے کوئی نام بھی لیتا نہیں اُس کا رونق تھی کبھی شہر میں اُس شخص کے دم سے

انہونی پہ پھر بیٹھ کے سوچیں گے سکوں سے
فی الحال نمٹنا ہے ہمیں رنج و الم سے

اک آس لیے ہم ہیں کھڑے دشتِ جنوں میں
شاید تو کبھی دیکھے ہمیں چشمِ کرم سے

اب ہم کو بھی ہجرت کی روایت پہ ہے چلنا
اب ہم بھی چلے جائیں گے اس شہرِ ستم سے

گو خاک پہ تھا پھر بھی اُسے دیکھ رہے تھے
مانوس تھے رہرو بھی تیرے نقشِ قدم سے

یوں خواب سے بیدار ہوا وقت کا سپنا
جیسے کہ چلا آئے کوئی ملکِ عدم سے

وہ کیسا سخنور ہے مرے دور کا ، یونسؔ
وہ جس کو محبت نہیں تکریمِ قلم سے

❁

شِکوہ نہیں کسی سے نالاں ہیں زندگی سے
اک ہم کہ خوش دلی سے ہارے ہیں زندگی سے

چہرے ہیں دیکھے بھالے لہجے ہیں اجنبی سے
منزل ہے دُور کوسوں تم تھک گئے ابھی سے

بے شک ملو نہ مجھ سے دیکھو نہ برہمی سے
بجھنا ہی تھا وہ تارا مضطر تھا شام ہی سے

بچھڑے نہ کوئی، جیسے
بچھڑے تھے ہم کسی سے

❁

حسن بولا آئنے سے ہٹ بھی جا اب سامنے سے
کھل گئی دل کی حقیقت ایک شب کے جاگنے سے

کیوں نہیں ٹلتی بلائیں؟ اب دعائیں مانگنے سے
خود سے نفرت ہو گئی ہے اپنے اندر جھانکنے سے
مطمئن سا ہو گیا ہوں غم کسی کا بانٹنے سے
کر دیا انکار، یونسؔ
اس نے بھی پہچاننے سے

❁

کاندھوں سے اپنے کرب کی سولی اتار کے
تیرے حضور آئے ہیں خود کو سنوار کے
اڑتا ہوا غبار تھا، راہیں تھیں پُر خطر
محو سفر تھے قافلے اجڑے دیار کے
لگتا ہے دشمنوں سے ہے کی سازباز کچھ
تیور بتا رہے ہیں مجھے اپنے یار کے
جس کے ہر ایک روپ کو پہچانتا ہوں میں
ملتا ہے روز مجھ کو نئے روپ دھار کے
اکثر سوال کرتا ہے آنگن کا خشک پیڑ
کس جا برس کے آتے ہیں بادل بہار کے
کچھ اس لیے بھی ہو گیا وہ مجھ سے بدگماں
سادہ سے کچھ اصول ہیں اس خاکسار کے
حیرت ہے حال زار سے میرے وہ خوش ہوا
دستار جس کو بخشی تھی سر سے اتار کے

ہم نے دیکھی ہے یہ خطا کر کے (۱۴) کچھ بھی ملتا نہیں وفا کر کے
کیوں رُلاتے ہو، خود بھی روتے ہو بیتے لمحوں کا تذکرہ کر کے
کس قدر ہے وہ مطمئن دیکھو ترکِ الفت کا فیصلہ کر کے
رزقِ شب بھی تو ہو گیا سورج سایہ دیوار سے جدا کر کے
گر گیا ہے وہ اپنی نظروں سے ہم کو رُسوا جگہ جگہ کر کے
ہم کو پہلے ہی یہ توقع تھی ہم کو چھوڑو گے تم فنا کر کے
کس کا چہرہ تلاش کرتا ہے؟ کرچی کرچی وہ آئنہ کر کے
ہو گئے ہم بھی سرخرو آخر قرض الفت کے سب ادا کر کے

جانے یونسؔ وہ کیسے زندہ ہیں
اس محبت پہ اکتفا کر کے

اَب اِس قدر بھی نہ دوری وہ بے وفا رکھّے
برائے نام سہی، کچھ تو رابطہ رکھّے
ہوائے شہر سے اتنا بھی ڈر کے رہنا کیا
وہ اک دریچہ تو گھر کا کبھی کھلا رکھّے
ترے ہی دم سے ہے بستی میں آبرو میری
نگاہِ یار سلامت تجھے خدا رکھّے
گزر سکے نہ وہ جس کے بغیر لمحہ بھی
کہاں تلک کوئی اس کو بھلا خفا رکھّے

اتر بھی سکتی ہے، دریا کے پار یا کہ نہیں
خیال اتنا تو کشتی کا نا خدا رکھّے

ہر ایک شخص ہی جب مصلحت کا قیدی ہو
حصارِ ذات سے باہر وہ پاؤں کیا رکھّے

یہ اور بات وہ آئے گا یا نہ آئے گا
چراغ ہم نے تو یادوں کے ہیں جلا رکھّے

آئنہ ہم کو سرِ بزم دکھانے والے
ہم حقیقت سے نہیں آنکھ چرانے والے

سب نے دیکھا کہ وہ مشہور ہوئے ہیں کتنے
ہم فقیروں سے رہ و رسم بڑھانے والے

یہ تو اچھا ہوا دل میں رہیں دل کی باتیں
ورنہ جینے ہی نہ دیتے یہ زمانے والے

کون دے گا ہمیں تقدیسِ ہنر کا تمغا
ہم تو لفظوں سے ہیں تصویر بنانے والے

تیری دنیا سے وہ نا پید ہوئے جاتے ہیں
بوجھ اوروں کا بھی کاندھوں پہ اٹھانے والے

پیار کا یہ راستہ ہے، سوچ لے!
ہر قدم پر حادثہ ہے، سوچ لے!

مت چھپا تو عیب اِس کے سامنے
آئنہ تو آئنہ ہے، سوچ لے!

زندگی میں کیا کسی سے رُوٹھنا
زندگی تو خود سزا ہے، سوچ لے!

اِس جہاں میں ڈھونڈنا تو پیار کا
پانیوں پہ دوڑنا ہے، سوچ لے!

نفرتوں کو اس طرح مت بانٹ تُو
اپنا بویا کاٹنا ہے، سوچ لے!

بیت جائے زندگی جو پیار میں فائدہ ہی فائدہ ہے، سوچ لے!
کس کو تو نے بخشنا ہے زندگی
اور کس کو مارنا ہے، سوچ لے!

❁

یوں تو سورج کو بڑے شوق سے دیکھا اس نے
کتنے جسموں کو جلایا ہے نہ سوچا اس نے
کس کو فرصت ہے کہ پڑھتا پھرے چہروں کو یہاں
باوجود اس کے چھپا رکھا ہے چہرہ اس نے
یوں تو کہنے کو سبھی اس کے تھے اپنے، لیکن
جو تھا قابل، نہ کیا اس پہ بھروسہ اس نے
کس طرح میں یہ کہوں پیار پہ قرباں ہو گا
جب کہ سیکھا ہی نہیں جان سے جانا اس نے
جانے کس مان پہ کرتا ہے وہ مرضی اپنی
اور بدلا نہیں اب تک یہ وتیرہ اس نے
میری ہر بات میں تشکیک کا پہلو ڈھونڈے
کیا عجب ڈھونڈا ہے لڑنے کا بہانہ اس نے
ایسی کیا بات تھی، منزل پہ پہنچ کر یارو!
کر لیا مجھ سے بچھڑنے کا ارادہ اس نے
لے گیا چھین کے یادیں بھی وہ اپنی یونسؔ
کس قدر کر دیا دنیا میں اکیلا اس نے

جب سے دیکھے ہیں وفا مانگنے والے میں نے(۱۵)
تب سے ہونٹوں پہ لگا رکھے ہیں تالے میں نے
جس قدر سنگ ملامت تھے سنبھالے میں نے
کب تری سمت میری جان اُچھالے میں نے
اُن چراغوں نے تو بجھنا ہی تھا ، ماتم کیسا!
کر دیئے خود جو ہواؤں کے حوالے میں نے
اب وہی لوگ میری جان کے دشمن ٹھہرے
جو بنائے تھے کبھی ہاتھ کے چھالے میں نے
بھوک سے مرتے ہوئے بچوں کی بھی آنکھیں دیکھو
ان میں مرتے ہوئے دیکھے ہیں اُجالے میں نے
زندہ رکھی ہے ترے پیار کی خوشبو ایسے
اپنے شعروں میں دیے تیرے حوالے میں نے
اس میں کیا دوش کسی کا جو مجھے چین نہیں
روگ پالے ہی نہیں بھولنے والے میں نے
کیوں نہ ہر لفظ پہ آنکھوں سے یہ ٹپکیں آنسو
جس قدر درد ملے شعر میں ڈھالے میں نے

سب سے کترا کے جو ہر بار گزر جاتا ہے
شام ہوتے ہی خدا جانے کدھر جاتا ہے

کب تجھے ظلمتِ شب میں وہ کبھی ڈھونڈے گا

سرسراہٹ سے اندھیرے میں جو ڈر جاتا ہے

اس کی قسمت میں کہاں بادِ صبا کے جھونکے

شاخ سے ٹوٹ کے جو پھول بکھر جاتا ہے

جس کو اندیشہ نہ تھا پہلے کبھی لٹنے کا

اب عموماً وہ سرِ شام ہی گھر جاتا ہے

ماورا کون ہے وہ نظمِ جہاں سے یارو!

ایک ہنگامہ سر عام جو کر جاتا ہے

جانے کیوں، سوچ! سر شام ہوا کا جھونکا

خشک پتے مری دہلیز پہ دھر جاتا ہے

دیکھتا ہے تو بتا کون سا سپنا شب بھر

صبح ہوتے ہی تیرا روپ نکھر جاتا ہے

نہیں جاتی تو کسک ہی نہیں جاتی ورنہ

زخم جیسا بھی ہو ہر حال میں بھر جاتا ہے

کرکے مسمار وہ مٹی کے گھروندے، یونسؔ

کیسا دریا ہے کہ فوراً ہی اتر جاتا ہے

❁

سر سے پانی گزر بھی سکتا ہے(۱۶) تیرا بیمار مر بھی سکتا ہے

جس کو دیکھا ہے یوں حقارت سے تیرے دل میں اُتر بھی سکتا ہے

جس نے بخشا ہے، خیر ہو اُس کی
زخم کا کیا ہے، بھر بھی سکتا ہے

صاف رکھنا ہے آئنہ دل کا
عکس کوئی ابھر بھی سکتا ہے

اپنی چاہت سے فیض یاب مجھے
کرنا چاہے تو کر بھی سکتا ہے

ظرف اتنا نہ آزمایا کر !!!
حد سے کوئی گزر بھی سکتا ہے

تو جو آئے تو شام کا چہرہ
میرے ہمدم! نکھر بھی سکتا ہے

رکھ بھی سکتا ہے پاس وعدے کا
وعدہ کر کے مُکر بھی سکتا ہے

اب جو ڈرتا ہے اپنے سائے سے
کس نے سوچا تھا ڈر بھی سکتا ہے

اپنی سوچوں کے پر سمیٹو تم!
کوئی ان کو کتر بھی سکتا ہے

ریزہ ریزہ تو ہو چکا یونسؔ
تیرے غم میں بکھر بھی سکتا ہے

❁

گھر بنانے میں وقت لگتا ہے
کب گرانے میں وقت لگتا ہے

عمر گزری ہو جب اذیت میں
مسکرانے میں وقت لگتا ہے

وہ جو بخشے ہوں دوستوں نے میاں!
غم بھلانے میں وقت لگتا ہے

پگڑی گرنے سے گر بچانی ہو
سر جھکانے میں وقت لگتا ہے

آنے والا اگر ہو جاں سے عزیز
گھر سجانے میں وقت لگتا ہے

کون کیا ہے یہ جاننے کے لیے
اس زمانے میں وقت لگتا ہے

وہ آدمی جو بڑا باوقار لگتا ہے
اٹھائے سر پہ وہ صدیوں کا بار لگتا ہے

برس گیا ہے جو ابر بہار لگتا ہے
ہر ایک چہرے پہ دیکھو نکھار لگتا ہے

نہ جانے کون ہے کس دیس کا ہے بنجارہ
وہ جس کا دامنِ دل تار تار لگتا ہے

بجھے بجھے تیری آنکھوں کے دیپ لگتے ہیں
فسردہ میرے بھی دل کا دیار لگتا ہے

ابھی جو چپکے سے آیا ہے میری محفل میں
مجھے وہ شخص تو میرا ہی یار لگتا ہے

کہیں پہ زلفِ گرِہ گیر کھل گئی ہو گی
ہوا کا جھونکا مجھے مشک بار لگتا ہے

سلگ رہا ہوں گھنی چھاؤں میں پڑا یونسؔ
حیات نو کا شجر شعلہ بار لگتا ہے

کیا فقط میں، شہر سارا جانتا ہے
وہ اچانک معتبر کیسے ہوا ہے؟

آنکھ بھر کے دیکھتا ہے ہر کسی کو
ہر کسی میں کیا وہ آخر ڈھونڈتا ہے؟

چاہتا ہے پھول کی بھی ہم سری وہ
خار سے بھی دُور رہنا چاہتا ہے

کر نہیں سکتا کنارا مجھ سے وہ
باوجود اس کے وہ ایسا چاہتا ہے

کل تلک خائف تھا مجھ سے کس قدر!
آج میرے جو مقابل آ کھڑا ہے

بد گماں ہے کس لیے وہ آج کل
شہر سارا مجھ سے کیوں کر پوچھتا ہے!

مفلسوں میں اس کی وقعت کچھ نہیں
اہلِ زر ہے وہ جو زر کو پوجتا ہے

شاعری کا فن تو اس نے دے دیا
اور کیا تو اپنے رب سے چاہتا ہے

سب نے دیکھا اس میں کتنا حوصلہ ہے
غم کو اکثر ہنس کے یونسؔ ٹالتا ہے

شام ڈھلتے ہی احساس مجھے ہوتا ہے
دل میں دھڑکن کے علاوہ بھی کوئی رہتا ہے

مان جا اے دلِ مضطر تو بھلا دے اس کو
عمر بھر کون بھلا ساتھ یہاں چلتا ہے

کس قدر سخت مراحل سے گزر کر یارو!
ذہن کی کوکھ سے اک شعر جنم لیتا ہے

ہو گئی شہر میں بہتات خرد مندوں کی
دیکھیے ہم سے سلوک اب یہاں کیا ہوتا ہے

وحشت دل میں اضافہ ہی ہوا اے یونسؔ!
وقت کی آنکھ میں ہم نے جو کبھی دیکھا ہے

مجھے وہ آزمانا چاہتا ہے
کہ بالکل ہی بھلانا چاہتا ہے

گوارا بھی نہیں کرتا وہ ملنا
تعلق بھی نبھانا چاہتا ہے

جگانا چاہتا ہے سوئے فتنے
مگر خود کو بچانا چاہتا ہے

کہانی چھیڑ کر بیتے دنوں کی
مجھے وہ کیا جتانا چاہتا ہے؟

دکھانا چاہتا ہے آئنہ بھی
حقیقت بھی چھپانا چاہتا ہے

رویہ تو کرے تبدیل اپنا
اگر اپنا بنانا چاہتا ہے

اُسے میں یاد رہنا چاہتا ہوں
مجھے وہ بھول جانا چاہتا ہے

وفا کی منزلوں کا ایک راہی
ترے دل میں ٹھکانہ چاہتا ہے

میں اپنے آپ سے بے زار یونسؔ
اُسے تو اک زمانہ چاہتا ہے

شَعورِ ذات دینا چاہتا ہے بدل حالات دینا چاہتا ہے
مجھے پھر ہارنے میں عار کیا ہے اگر وہ مات دینا چاہتا ہے
غرور عشق و مستی چھین کر وہ مجھے خیرات دینا چاہتا ہے
حَدودِ مصلحت سے بھی تو نکلے
اگر وہ سات دینا چاہتا ہے

جدا مجھ سے کوئی ہوا چاہتا ہے میں کیا چاہتا ہوں وہ کیا چاہتا ہے
یہ دستک ہے کیسی! یہ کس نے پکارا کہ دروازہ دل کا کھلا چاہتا ہے
نہ جانے کہاں ہے مسیحا وہ میرا ''دِیا'' زندگی کا بجھا چاہتا ہے
پلٹ آیا شاید وہ آنا تھا جس نے نگر دل کا پھر سے بسا چاہتا ہے
اُسے دوستو! میں کہاں تک سنبھالوں جو نظروں سے خود ہی گرا چاہتا ہے
تھا مُدت سے تیری توجہ کا طالب جو محفل سے تیری اُٹھا چاہتا ہے
ملی جس کو شہرت توسط سے میرے مٹانے پہ مجھ کو تلا چاہتا ہے
نہ قربت، نہ دُوری، نہ چاہت، نہ نفرت خدا جانے مجھ سے وہ کیا چاہتا ہے
مراسم بڑھا کر تو اہلِ جنوں سے تماشا کیوں آخر بنا چاہتا ہے
جسے دیکھ لینا ہی کافی تھا یونسؔ
مخاطب وہ مجھ سے ہوا چاہتا ہے

وہ تو دھڑکن کی طرح دل میں بسا رہتا ہے یہ الگ بات کہ وہ مجھ سے خفا رہتا ہے

اس تیرے پیار میں اپنوں سے بھی ناتا ٹوٹا پھر بھی اے جانِ وفا تجھ کو گلہ رہتا ہے
یہ مرا سایہ بھی مخبر ہے کسی دشمن کا جو تعاقب میں مرے صبح و مسا رہتا ہے
سوکھ جاتے ہیں خزاں میں تو سبھی برگ و ثمر زخم جو تو نے دیا وہ تو ہرا رہتا ہے

بدگماں ہے وہ مری ذات سے شاید یونسؔ
ایک دھڑکا سا مرے دل کو لگا رہتا ہے

❁

اچھا ہے یا برا ہے یہ اُس کا مسئلہ ہے
ایسا بھی کیا ہوا ہے چہرہ کھلا کھلا ہے
یہ کیسی تیرگی ہے! روشن اگر دیا ہے
زندہ ہے وہ دلوں میں کہنے کو مر چکا ہے
سب آسروں سے بڑھ کر اِس غم کا آسرا ہے
جس دن سے دل کو توڑا اس دن سے لاپتا ہے
لہجہ ہے سخت اس کا بندہ وہ کام کا ہے
ہر صاحب بصیرت کب تجھ میں مبتلا ہے
کس کا ہے یہ جنازہ اک حشر سا بپا ہے

شہرِ ستم میں پگلے!
غم کون بانٹتا ہے

❁

جس نے برسوں سے تجھے دل میں بسا رکھا ہے
تو نے اس شخص کو سولی پہ چڑھا رکھا ہے

کیا ہوا آنکھ سے جاری ہیں جو آنسو ہمدم!
اک تبسم بھی تو ہونٹوں پہ سجا رکھا ہے
ایک تُو ہے کہ سبھی چاند ستارے تیرے
ایک میں ہوں کہ دیا تک بھی بجھا رکھا ہے
یہ تو ہم ہیں جو لیے پھرتے ہیں یادیں تیری
ورنہ دنیا نے تجھے کب کا بھلا رکھا ہے
جب بھی ملنا مجھے غیروں کی طرح ہی ملنا
تِری اس بات نے دل میرا جلا رکھا ہے
ایسی کیا ٹوٹ گئی تجھ پہ قیامت یونسؔ
خود کو تصویر سا کیوں تم نے بنا رکھا ہے

❁

زندگی کیا ہے، غور کرنا ہے بے کلی کیا ہے، غور کرنا ہے
جلتی بجھتی سی ان کی آنکھوں میں روشنی کیا ہے؟ غور کرنا ہے
مل کے آیا ہوں بت پرستوں سے بندگی کیا ہے، غور کرنا ہے
جلتا رہنے دو ان چراغوں کو تیرگی کیا ہے غور کرنا ہے
چھوڑ آیا ہوں خود کو صحرا میں تشنگی کیا ہے غور کرنا ہے
خود کو رکھنا ہے آئنوں سے پرے آگہی کیا ہے غور کرنا ہے
بے سبب ہی اسے خفا کر کے بے رخی کیا ہے غور کرنا ہے
کھوئے کھوئے سے ہم جو رہتے ہیں بے خودی کیا ہے غور کرنا ہے

ربط رکھنا ہے سر بلندوں سے عاجزی کیا ہے غور کرنا ہے
اس سے پہلے کہ رابطے ٹوٹیں دوستی کیا ہے غور کرنا ہے
حفظ کرنا ہے سانولا چہرہ دلکشی کیا ہے غور کرنا ہے
چاند چھپنے سے پیشتر یونسؔ
چاندنی کیا ہے غور کرنا ہے

❁

موتی نہ کوئی لعلِ یمن، مانگ رہا ہے مجھ سے مرا سرمایۂ فن مانگ رہا ہے
اک عمر ہوئی جس کو تہہ خاک ہوئے بھی آواز وہی شہرِ سخن مانگ رہا ہے
حیرت ہے مرے ہونے کی پھر آج گواہی مجھ سے وہ مرا جز و بدن مانگ رہا ہے
اک ہم کہ جنھیں فکر ہے بس اپنی انا کی ہر شخص یہاں دولت و دھن مانگ رہا ہے
دستار فضیلت تو نہیں شہر کے حاکم!
لاشہ کسی مفلس کا کفن مانگ رہا ہے

❁

مری تو خیر ہے چھوڑو مجھے مرا کیا ہے جدا ہی ہونا ہے مجھ سے تو سوچتا کیا ہے؟
یوں دیکھنا مجھے جیسے کبھی نہ دیکھا ہو گھڑی گھڑی تجھے آخر یہ سوجھتا کیا ہے؟
گئی رُتوں کا فسوں ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں سزا نہیں ہے اگر یہ تو پھر سزا کیا ہے؟
اگر نہ ہو تجھے زحمت تو پوچھ سکتا ہوں سوائے رنج و الم کے مجھے دِیا کیا ہے؟
وہ جھانکنا مرا چاہت سے تیری آنکھوں میں ہو پوچھنا ترا مجھ سے کہ مدعا کیا ہے؟
وہی ہے چہرہ، وہی چال ہے، وہی آنکھیں پکار لے دل مضطر تو دیکھتا کیا ہے؟

ستم تو یہ ہے کہ لُوٹا ہے مجھے اپنوں نے کسی کو کیا میں بتاؤں مجھے ہوا کیا ہے؟
امیر شہر کو سمجھائے کون یہ جا کر غریب شہر سے اُس کا مقابلہ کیا ہے؟
نکل گئی نا، میرے منہ سے آج سچی بات
پتہ چلا کہ نہیں سچ کا ذائقہ کیا ہے؟

❁

ہم پہ ہی کیوں یہ غیظ و غضب ہے بات تو ویسے، غور طلب ہے
لاکھ پکارے اس کو کوئی وقت کسی کی سنتا کب ہے!
پاس بھی رہ کر، مجھ سے گریزاں پہلے نہیں تھا جتنا اب ہے
اب تو مسیحا خود سے پریشاں
شہر ہی سارا جان بہ لب ہے

❁

در پئے آزار ہے کس طرح کا یار ہے
پاس رہ کر دور رہنا کس قدر دشوار ہے
خیر ہو جذبِ جنوں کی اب یہی غم خوار ہے
جب بھی چاہو جان حاضر کب مجھے انکار ہے
بدگماں ہے ہر کسی سے جانے کس کا یار ہے؟
ہم سے پوچھو شہر میں
کس کا کیا کردار ہے

❁

شکستگی جو مرے بام و در کے اندر ہے(۱۷) علاج اُس کا کہاں سیم و زر کے اندر ہے

ابھی کہاں مرے سر پر غبارِ رُسوائی ابھی تو چرچا مرا اپنے گھر کے اندر ہے
بجھا سکی نہ جسے رات بھر کی بارش بھی ابھی وہ شعلہ مری چشمِ تر کے اندر ہے
اُتار سکتا ہوں کاغذ پہ ہو بہو اُس کو ابھی وہ چہرہ مقید نظر کے اندر ہے
کسی بھی ٹہنی پہ کونپل کوئی نہیں جاگی تو گویا چھاؤں ابھی تک شجر کے اندر ہے
گزر گئی ہے قیامت یہ کیسی لوگوں پر جسے بھی دیکھوں وہ لگتا سفر کے اندر ہے
اِسی گماں نے سلایا ہے تھپکیاں دے کر ترے ظہور کا وقفہ سحر کے اندر ہے
کوئی تو دھارا لگا دے گا اُس کو ساحل سے وہ اک سفینہ جواب تک بھنور کے اندر ہے

نہ جانے کیا ہوئی یونسؔ متاعِ قلب و نظر
نہ جانے کس کے وہ قلب و نظر کے اندر ہے

❁

چہرے پہ بے بسی ہے نہ رنج و ملال ہے لٹنے کے باوجود بھی میرا یہ حال ہے
بجھتے ہیں گر چراغ تو بجھنے دو اب انھیں روشن کسی کی یاد سے طاقِ خیال ہے
نفرت کے بیج بونے سے پہلے یہ سوچ لے! بستی میں چاہتوں کا تو پہلے ہی کال ہے
بے وقت روشنی کی تمنا نہیں ہے ٹھیک دن ڈھل رہا ہے، روشنی رو بہ زوال ہے
کیچڑ اُچھالنے سے ہی فرصت نہیں جنھیں اپنی قباؤں کا اُنھیں کتنا خیال ہے
وہ مجھ سے بدگماں ہے تو حیرت کی بات کیا! اس شہرِ بدگماں میں تو سب کا یہ حال ہے

پتھر تو خیر ہوتے ہیں پتھر ، مگر یہ کیا!
ہیرے کو ہیرا کہنا بھی اب تو محال ہے

❁

تجھے تیری قسم ہے بتا کیوں آنکھ نم ہے

تجھے ہے صرف اپنا مجھے تیرا بھی غم ہے
اگرچہ بے وفا ہے وہ پھر بھی محترم ہے
تو خود ہی فیصلہ کر! سرِ تسلیم خم ہے
ابھی دل مضطرب ہے مگر پہلے سے کم ہے
یہی میدان محشر یہی ملکِ عدم ہے
نہیں رویا عزیزو! ذرا سی آنکھ نم ہے
یہی گر زندگی ہے یہی ملکِ عدم ہے
خدا کا شکر، یونسؔ
زمانے میں بھرم ہے

یہ جو لرزش تری زبان میں ہے جھوٹ گویا ترے بیان میں ہے
گر ہے شکوہ کوئی تو کھل کے بتا! کچھ دنوں سے تو کِس گمان میں ہے؟
کیوں اٹھاؤں میں آسماں سر پر اتنی وحشت تو ہر مکان میں ہے
شائبہ تک نہیں ہے، سورج کا دھوپ کیسی یہ سائبان میں ہے!
کرنے آیا ہے، تصفیہ تو بتا! تیری تلوار کیا میان میں ہے؟
ناؤ کے ناخدا! بتا تو سہی شور کیسا یہ بادبان میں ہے؟
کیوں اچھالے کسی کی تو پگڑی شہر مانا، تری امان میں ہے
ہم خریدیں گے جس بھی بھاؤ ملے
کیا محبت تری دکان میں ہے!

ذرا سی بات وہ سمجھا نہیں ہے دلوں میں فاصلہ اچھا نہیں ہے

چلے جانا، ابھی کچھ دیر بیٹھو دلِ مضطر ابھی سنبھلا نہیں ہے
نہیں لگتا مجھے یہ بھرنے والا اگرچہ زخم تو گہرا نہیں ہے
تمھیں میں چھوڑ سکتا ہوں بھلا کیا!
قسم لے لو کبھی سوچا نہیں ہے

❁

ایسا نہیں کہ تو یہاں سردار نہیں ہے تعریف کے قابل تیرا کردار نہیں ہے
اب لاکھ اڑا پھرتُو ہواؤں کے جلو میں تو کچھ بھی نہیں دھرتی سے گر پیار نہیں ہے
کیوں کرتے نہیں ہو بھلا تم اُن سے کنارا رندوں سے اگر کوئی سروکار نہیں ہے
پاگل تو نہیں دوں میں عدالت میں صفائی
جب جرم محبت سے تو انکار نہیں ہے

❁

ایسا بھی نہیں جرأتِ اظہار نہیں ہے(۱۸) سچ بات کوئی سننے کو تیار نہیں ہے
تم جس کی محبت میں مرے جاتے ہو لوگو وہ شخص تو نفرت کا بھی حقدار نہیں ہے
دنیا کے جھمیلوں سے ہی فرصت نہیں ورنہ رستہ تو تیرے شہر کا دشوار نہیں ہے
جس شہر ہے تم لائے ہو غم اتنے اُٹھا کر اُس شہر میں کیا کوئی بھی غم خوار نہیں ہے
تم ہو کہ لیے پھرتے ہو اِک چاک گریباں محفوظ یہاں جُبّہ و دستار نہیں ہے
خواہش ہے کہ اُس شخص کی میں شکل نہ دیکھوں اِس دیس کی مٹّی سے جسے پیار نہیں ہے
بے دام بھی بِک جائیں بڑی بات ہے یونسؔ
خوابوں کا یہاں کوئی خریدار نہیں ہے

❁

شعور و آگہی بالکل نہیں ہے دلوں میں روشنی بالکل نہیں ہے

نبھاتا بھی وہ کیسے عہدِ الفت اُسے تو یاد ہی بالکل نہیں ہے
بظاہر تو ترا لہجہ وہی ہے مگر وہ چاشنی بالکل نہیں ہے
بسر تو تیرے بِن بھی ہو رہی ہے مگر یہ زندگی بالکل نہیں ہے
سنایا جا رہا ہے غم کا قصہ توجہ آپ کی بالکل نہیں ہے

تعلق ہے بھی تو بس واجبی سا
اب اُس سے دوستی بالکل نہیں ہے

❁

جان میں میری جان نہیں ہے الفت بھی آسان نہیں ہے
خود سے خود ہی دور ہوا ہوں اس کا بھی رجحان نہیں ہے
خوف ہے کیسا، چلنا ہو گا رستہ تو ویران نہیں ہے
ہے کوئی ایسا شہر کہ جس میں خوف نہیں، ہیجان نہیں ہے
کیسا رشتے دار ہے جس کو رشتوں کی پہچان نہیں ہے
مشکل تو ہے آنا اس کا خارج از امکان نہیں ہے
خلق خدا ہو جس سے تنگ حاکم ہے انسان نہیں ہے
دکھتا ہے وہ جتنا ہم کو اتنا بھی نادان نہیں ہے

جینا تو اب دور ہے یونسؔ
مرنا بھی آسان نہیں ہے

❁

چاہے گا مجھے وہ کبھی سوچا ہی نہیں ہے
ہاتھوں میں میرے پیار کی ریکھا ہی نہیں ہے

یہ چاند بھی نکلے تو تیری شکل بنائے
دل ہے کہ کسی طور سنبھلتا ہی نہیں ہے

میں ہوں کہ تجھے جان بھی دینے کو ہوں تیار
تو ہے کہ مجھے اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے

ہر گھر ہے مقفل تو ہیں ویران یہ گلیاں
اس شہر میں شاید کوئی رہتا ہی نہیں ہے

کب تک وہ بھلا گاتا محبت کے ترانے
تم خود ہی کہو جب کوئی سنتا ہی نہیں ہے

کیا کیا نہ کیے ہم نے جتن جانِ تمنا
یہ درد تیرے پیار کا رُکتا ہی نہیں ہے

پاگل تو نہیں ہوں ، جو اُسے چھوڑ دوں یونسؔ
بن دیکھے جسے وقت گزرتا ہی نہیں ہے

❁

عجب یہ اک راستہ ہے حادثے پر حادثہ ہے
رہ گئی تعمیل اب تو فیصلہ تو ہو چکا ہے

اس کے میرے درمیاں پھر اک مسلسل فاصلہ ہے
اک ادھورا عکس ہے کرچی کرچی آئنہ ہے

سو چکے ہیں راستے سب کون کس کو ڈھونڈتا ہے
بھول جائیں، ہم تمھیں! آپ کا بس واہمہ ہے

گو مقدر سو چکے ہیں پھر بھی ہم کو جاگنا ہے

مصلحت کی آڑ ہی میں جو تھا ہونا ہو چکا ہے
خامشی کی آب جُو میں کون کنکر پھینکتا ہے؟

❁

جن مراحل سے گزر کر یہ سحر ہوتی ہے
شب گزیدوں کو بہر حال خبر ہوتی ہے
کیسی بستی میں چلے آئے سفیرانِ وفا
ہر قدم پر جہاں توہینِ بشر ہوتی ہے
کیسے رکھتا وہ یہاں حفظِ مراتب کا خیال
ایک پاگل کو کہاں اتنی خبر ہوتی ہے
دیکھیے اب کے پڑاؤ ہے کہاں قسمت میں
دیکھیے اب کے کہاں رات بسر ہوتی ہے
تو نے کی تھی جو محبت کی نوازش اک بار
دیکھنا ہے کہ یہ کب بارِ دگر ہوتی ہے
حُسنِ تقدیس کا احساس بھی ہو جس کو ذرا
وہی پاکیزہ و معصوم نظر ہوتی ہے
اُس کی پہچان کا بس اتنا حوالہ ہے بہت
اُس کے ماتھے پہ شکن زیر و زبر ہوتی ہے
یہ الگ بات کھلا رکھیں دریچہ شب بھر
کب میسّر ہمیں تنویرِ قمر ہوتی ہے

عقل کی دل سے ٹھنی رہتی ہے
مجھ میں ہل چل سی مچی رہتی ہے
زندگی کیا ہے کبھی پوچھ اس سے
وہ جو اک ''بخت جلی'' رہتی ہے
کرنے ہوتے ہیں مجھے کام کئی
دل کو اپنی ہی پڑی رہتی ہے
اس کا کہنا کہ محبت آسان
میری تو جاں پہ بنی رہتی ہے

ہو کا عالَم ہے خوف طاری ہے
آج کی رات ہم پہ بھاری ہے
تیکھے تیکھے ہیں شام کے تیور
دل کے آنگن میں سوگواری ہے
دیکھتے کیا ہو، میری آنکھوں میں
بے قراری ہی بے قراری ہے
کل تھے مقتل میں سر کٹے کتنے!
آج مقتل میں کس کی باری ہے
میں ہوں راہی وفا کی منزل کا
میری فطرت میں خاکساری ہے
خود پہ رویا کبھی میں خود پہ ہنسا
زندگی اس طرح گزاری ہے
جو بھی کہنا ہے کہہ بھی دو یونسؔ
کیسی اپنوں سے پردہ داری ہے

ساری محفل پہ کیف طاری ہے
چشمِ ساقی کا فیض جاری ہے
زرد کتنا ہے! شام کا چہرہ
گویا ہم پر یہ رات بھاری ہے
رو پڑے وہ بھی گر بتا دیں ہم
کس اذیت میں شب گزاری ہے

بھول جاتے ہیں ایک دوجے کو یہی خواہش اگر تمھاری ہے
جو بھی دیکھے، وہ دیکھتا ہی رہے
تیری صورت ہی اتنی پیاری ہے

❁

ایک تو بے وفا ضروری ہے عشق میں اور کیا ضروری ہے
پاس رہ کر بھی بے رخی اتنی! کیا مجھے مارنا ضروری ہے
ایسا لگتا ہے حق بچانے کو پھر کوئی کربلا ضروری ہے
سچ تو یہ ہے کہ آدمی کے لیے
پیار کرنا بڑا ضروری ہے

❁

ہر ایک نظر میرے ہی چہرے پہ گڑی ہے
اس جرمِ محبت کی سزا کتنی کڑی ہے
بے جُرم و خطا سولی پہ ہم لوگ چڑھے ہیں
انصاف کی دیوی ہے کہ چپ چاپ کھڑی ہے
دوچار قدم چلنا بھی دشوار ہوا ہے
زنجیر میرے پاؤں میں کیسی یہ پڑی ہے
ہر شخص تیرے حکم کا تابع ہے یہاں پر
لگتا ہے تیرے پاس بھی جادو کی چھڑی ہے
اے گردشِ دوراں تجھے ہے اس کی خبر کیا!
یہ سانس مری جان میں اب تک جو اَڑی ہے

اے دشمنِ جاں! تیرے رویے کی بدولت
ہر ایک گھڑی اب تو قیامت کی گھڑی ہے
ہنستے ہوئے چہرے پہ نظر کیسے ٹکے گی
آنسو بھی تری آنکھ کے ہیروں کی لڑی ہے

❁

اتنی مشکل جو زندگانی ہے میرے یاروں کی مہربانی ہے
غم اچنبھا نہیں ہیں میرے لیے ان سے وابستگی پرانی ہے
کیوں نہ انسانیت کے کام آئے جاں تو ویسے بھی اپنی جانی ہے
دیکھنا تک نہیں گوارا اسے
بات جس کی ہر ایک مانی ہے

❁

بعد مدت کے میرے ہوش ٹھکانے آئے
پوچھنے مجھ کو میرے یار پرانے آئے
شہر کا شہر ہی دشمن ہے ہمارا یا ربّ!
ہاتھ جب سے یہ محبت کے خزانے آئے
ہم تو آئے ہیں فقط دید کو تیری ہم دم!
حال دل کا تو نہیں تجھ کو سنانے آئے
یہ مناسب تو نہیں تیرے لیے جانِ غزل!
جب بھی آئے تو فقط دل ہی دکھانے آئے
اپنے ہاتھوں سے اجاڑا ہے جسے خود ہم نے
ایسی بستی کو بھلا کون بسانے آئے

ہوش ایسے تو نہیں میرے ٹھکانے آئے
اب کے کچھ یار میری خاک اُڑانے آئے

عمر گزری ہے سرِ راہ صدائیں دیتے
لوٹ کر پھر نہ وہ بچپن کے زمانے آئے

عقل کہتی ہے کہ ''دنیا سے کنارا اچھا''
دل یہ چاہے کہ کوئی زخم لگانے آئے

دُکھ تو اس کا ہے کہ بے شکل ہیں چہرے جن کے
آئنہ وہ بھی مجھے آج دکھانے آئے

پھر بھی نکلا نہ محبت کا یہ سودا سر سے
مجھ کو سمجھانے جہاں بھر کے سیانے آئے

ختم ہیجان کر دیا جائے ہم پہ احسان کر دیا جائے
میرا جینا اگر نہیں بھاتا مرنا آسان کر دیا جائے
بَیعتِ ظلم ہے اگر جائز جاری فرمان کر دیا جائے
زندگی ہم کو زندگی ہی لگے ایسا سامان کر دیا جائے
عزت نفس کو بھلا یونسؔ!
کیسے قربان کر دیا جائے

کیوں نہ صورت کوئی ایسی بھی نکالی جائے
وقت کے پاؤں میں زنجیر ہی ڈالی جائے

اس سے پہلے کہ گرا دے اسے شر کا دریا
کیوں نہ بستی ہی کہیں اور بسا لی جائے

اب وہ اوروں کی حفاظت پہ ہے مامور یہاں
جس سے دستار نہ اپنی بھی سنبھالی جائے

میں کہ اُس شخص سے اب ترکِ تعلق سوچوں
جس کی حسرت ہی نہ اس دل سے نکالی جائے

بھید کھل جائے گا پھر تیری سخاوت کا یہاں
تیرے در سے بھی اگر شخص وہ خالی جائے

عین ممکن ہے نظر تیری ہی لگ جائے اُسے
اُس کے چہرے سے نظر اپنی ہٹا لی جائے

کتنا اچھا ہو کہ کردار کو پختہ کر کے
دھاک دشمن پہ میرے دوست بٹھا لی جائے

اتنے درپیش ہیں ہستی کے مسائل یونسؔ
اُن سے ملنے کی بھی فرصت نہ نکالی جائے

❁

غم کے مہیب سائے مثلِ رقیب، سائے
ہم سے تو گیسوؤں کے ہیں خوش نصیب، سائے
ماتم کناں ہیں کیوں کر دل کے قریب سائے
خود سر ہیں یہ بھی یونسؔ!
ہیں نا! عجیب سائے

☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱)مشمولہ سالنامہ ''اظہار'' (مرتب:نوید عاجز)۔پاک پتن:ادب قبیلہ-شمارہ نمبر۳-۲۰۱۶ء-ص ۲۸

(۲)مشمولہ ''شہرِ غزل کے بعد'' (مرتبہ:محمد افتخار شفیع)۔ساہیوال:ادارہ صوتِ ہادی۔۲۰۱۰ء۔ص ۳۴۱

(۳)مشمولہ انتخاب'' مجھے تیری ضرورت ہے'' (مرتب:نوید عاجز)۔ فیصل آباد:مثال پبلشرز۔۲۰۱۶ء۔ص ۶۱

(۴)مشمولہ ''شہرِ غزل کے بعد'' (مرتبہ:محمد افتخار شفیع)۔ساہیوال:ادارہ صوتِ ہادی۔ ۲۰۱۰ء۔ص ۳۹

(۵)مشمولہ انتخاب'' مجھے تیری ضرورت ہے'' (مرتب:نوید عاجز)۔ فیصل آباد:مثال پبلشرز۔ ۲۰۱۶ء۔ص ۵۷

(۶)۔یہاں پہلے یہ مصرع تھا جسے شاعر نے دوبارہ کہا ہے۔

یہ بام و در تیرے کوچے کے جانتے ہیں کہ ہم

(۷)مشمولہ سالنامہ ''اظہار'' (مرتب:نوید عاجز)۔پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر۴۔۲۰۱۷ء۔ص ۳۴

(۸)۔شاعر نے پہلے یہ شعر ایسے کہا تھا:

اب 'عشق' کے دریا میں کہاں اتنی روانی
اب 'حسن' کے ہاتھوں میں کہاں کچے گھڑے ہیں

(۹)مشمولہ ''شہرِ غزل کے بعد'' (مرتبہ:محمد افتخار شفیع)۔ساہیوال:ادارہ صوتِ ہادی۔۲۰۱۰ء۔ص ۳۳۹

(۱۰)مشمولہ انتخاب'' مجھے تیری ضرورت ہے'' (مرتب:نوید عاجز)۔ فیصل آباد:مثال پبلشرز۔ ۲۰۱۶ء۔ص ۵۴

(۱۱)۔اس غزل کا وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن/ فاعلات۔مگر شاعر نے یہاں یہ مصرع باندھا تھا۔

اس محبت نے تو آخر جان تیری مانگ لی

ایک رکن اضافی کی وجہ سے شاعر نے مصرع تبدیل کیا جو شاملِ متن ہے۔

تقطیع: اس محبت/ نے ٹُ آخر/ جان تیری/ مانگ لی

فاعلاتن / فاعلاتن / فاعلاتن / فاعلن

(۱۲)مشمولہ انتخاب ''مجھے تیری ضرورت ہے''(مرتب:نوید عاجز)۔ فیصل آباد:مثال پبلشرز۔ ۲۰۱۶ء۔ص۵۶

(۱۳)مشمولہ انتخاب ''مجھے تیری ضرورت ہے''(مرتب:نوید عاجز)۔ فیصل آباد:مثال پبلشرز۔ ۲۰۱۶ء۔ص۶۰

(۱۴)مشمولہ''ماہنامہ بریلینٹ پاکپتن''(چیف ایڈیٹر:شاہد چشتی)۔شمارہ۳۔ ۲۰۱۸ء۔ص۲۲

(۱۵)مشمولہ''شہرِ غزل کے بعد''(مرتبہ:محمد افتخار شفیع)۔ساہیوال:ادارہ صوتِ ہادی۔۲۰۱۰ء۔ص۳۴۰

مشمولہ سالنامہ''اظہار''(مرتب:نوید عاجز)۔ پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر۱۔۲۰۱۴ء۔ص۲۲

(۱۶)مشمولہ انتخاب''مجھے تیری ضرورت ہے''(مرتب:نوید عاجز)۔فیصل آباد:مثال پبلشرز۔۲۰۱۶ء۔ص۵۸

(۱۷)مشمولہ انتخاب''مجھے تیری ضرورت ہے''(مرتب:نوید عاجز)۔فیصل آباد:مثال پبلشرز۔۲۰۱۶ء۔ص۵۵

مشمولہ سالنامہ''اظہار''(مرتب:نوید عاجز)۔ پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر۱۔۲۰۱۴ء۔ص۲۲

(۱۸)مشمولہ''شہرِ فرید کے شاعر''(مرتب:نوید عاجز)۔لاہور:سجاد پبلی کیشنز۔۲۰۱۳ء۔ص۱۸۶

کتابیات

۱۔اشہد کریم الفت،ڈاکٹر۔''جدید غزل''(ایک تجزیاتی مطالعہ)۔بہار(کریم گنج):پرنٹ آرٹس۔۲۰۰۷ء

۲۔انیس اشفاق،ڈاکٹر۔''اردو غزل میں علامت نگاری''۔اتر پردیش:اکادمی اردو

۳۔اے۔ابی اشرف،ڈاکٹر۔''کچھ نئے اور پرانے شاعر''۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز۔۱۹۸۹ء

۴۔پروفیسر انور جمال۔''ادبی اصطلاحات''اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن۔۲۰۱۴ء

۵۔جمیل جالبی،ڈاکٹر۔''معاصرِ ادب''۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز۔۱۹۹۱ء

۶۔حامد کاشمیری،ڈاکٹر۔''تفہیم وتنقید''۔لاہور:فینس بکس الوہاب مارکیٹ اُردو بازار۔۱۹۸۹ء

۷۔خالق داد ملک،ڈاکٹر۔''تحقیق وتدوین کا طریقہ کار''۔لاہور:اورینٹل بکس۔۲۰۱۲ء

۸۔خلیق انجم۔''متنی تنقید''۔دہلی:انجمن ترقی اردو۔۲۰۰۶ء

۹۔خواجہ اکرام، ڈاکٹر۔''اردو کی شعری اصناف''۔دہلی: مکتبہ لمیٹیڈ اردو بازار۔س۔ن
۱۰۔رشید حسن خاں۔''اردو املاء''۔لاہور: مجلسِ ترقی ادب۔۲۰۰۶ء
۱۱۔رفاقت علی شاہد۔''تحقیق شناسی''۔لاہور: القمر انٹر پرائزز۔۲۰۰۳ء
۱۲۔رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر۔''اصنافِ ادب''۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔۲۰۱۲ء
۱۳۔سلطانہ بخش، ڈاکٹر۔''اردو میں اصولِ تحقیق''۔لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س ن
۱۴۔سید حامد حسین، ڈاکٹر (مرتبہ)۔''اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات''۔ بھوپال پاشا پرنٹنگ پریس۔۱۹۷۷ء
۱۵۔سید عابد علی عابد۔''البدیع''۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔۲۰۱۵ء
۱۶۔شمس الرحمٰن فاروقی۔''لغات روزمرہ''۔دہلی: انجمن ترقی اردو۔تیسرا ایڈیشن، ۲۰۱۱ء
۱۷۔عبادت بریلوی، ڈاکٹر۔''غزل اور مطالعہ غزل''۔کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان۔۱۹۵۵ء
۱۸۔عبدالرزاق قریشی۔''مبادیاتِ تحقیق''۔لاہور: خان بک کمپنی۔۲۰۱۶ء
۱۹۔عبدالقادر غیاث الدین فاروقی، ڈاکٹر۔''اردو شاعری اور تصوف''۔حیدرآباد (انڈیا): ابوالوافاء الافغانی جامعہ نظامیہ۔مارچ ۲۰۰۹ء
۲۰۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔''اردو شاعری کا فنی ارتقاء''۔لاہور: الوقار پبلیشرز۔۱۹۹۷ء
۲۱۔کمال احمد صدیقی، ڈاکٹر۔''مخطوطہ شناسی''۔نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ۔۱۹۹۷ء
۲۲۔گیان چند، ڈاکٹر۔''تحقیق کا فن''۔پاکستان: مقتدرہ قومی زبان۔اشاعت سوم ۲۰۱۲ء
۲۳۔محمد اشرف کمال، ڈاکٹر۔''تحقیق اور تدوینِ متن''۔کراچی: سٹی بک پوائنٹ اردو بازار۔۲۰۱۷ء
۲۴۔محمد امین، ڈاکٹر۔''آسان عروض''۔ملتان: بیکن بکس۔اشاعت اول ۱۹۸۹ء، اشاعت دوم ۲۰۱۶ء
۲۵۔محمد خان اشرف، ڈاکٹر۔''اصطلاحات۔ تدوینِ متن''۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔۲۰۱۱ء
۲۶۔محمد افتخار شفیع، پروفیسر (مرتبہ)۔''شہرِ غزل کے بعد''۔ساہیوال: ادارہ صوتِ ہادی۔۲۰۱۰
۲۷۔محمد عارف۔''مزاحیہ غزل کے خدوخال''۔اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔۲۰۱۵ء
۲۸۔نوید عاجزؔ۔''مجھے تیری ضرورت ہے'' (انتخاب)۔فیصل آباد: مثال پبلشرز۔۲۰۱۶ء
۲۹۔نوید عاجزؔ۔''شہرِ فرید کے شاعرؔ'' (تحقیق و تدوین)۔لاہور: سجاد پبلی کیشنز۔۲۰۱۳ء
۳۰۔وزیر آغا، ڈاکٹر۔''اُردو شاعری کا مزاج''۔لاہور: مکتبہ اردو بازار۔۱۹۹۳ء

رسائل و جرائد

۱۔رحمت علی شاؔد،ڈاکٹر۔''شہرِ فرید میں اردو غزل کی روایت'' مشمولہ''الماس''(تحقیقی مجلّہ)۔خیر پور سندھ:شاہ عبداللطیف یونیورسٹی۔شمارہ ۱۵۔ ۱۴-۲۰۱۳ء

۲۔شاہد چشتی(چیف ایڈیٹر)۔''ماہنامہ بریلینٹ پاکپتن''۔شمارہ ۳۔ ۲۰۱۸ء

۳۔محمد اشفاق(مدیرِ اعلیٰ)۔''المسعوؔد''(ادبی مجلّہ)۔پاکپتن:گورنمنٹ فریدیہ پوسٹ گریجویٹ کالج۔۲۰۱۰ء

۴۔نوید عاجؔز(مرتب)۔سالنامہ''اظہار''۔پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر ۱۔۲۰۱۴ء

۵۔نوید عاجؔز(مرتب)۔سالنامہ''اظہار''۔پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر ۲۔ ۲۰۱۵ء

۶۔نوید عاجؔز(مرتب)۔سالنامہ''اظہار''۔پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر ۴۔ ۲۰۱۷ء

۷۔نوید عاجؔز(مرتب)۔''سالنامہ''اظہار''۔پاک پتن:ادب قبیلہ۔شمارہ نمبر ۳۔ ۲۰۱۶ء

انٹرویوز

۱۔ایوب اختؔر۔(پاکپتن کے معروف شاعر)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔ذریعہ:ٹیلی فون۔۲۱ جولائی ۲۰۲۱ء۔

۲۔عنایت بی بی(پھوپھی:یونؔس فریدی)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن:مکان نمبر ۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۰،اپریل ۲۰۲۱ء۔

۳۔نوید عاجز(پاکپتن کے نوجوان شاعر)۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔ذریعہ:ٹیلی فون۔۲۱ جولائی ۲۰۲۱ء۔

۴۔یونؔس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن:مکان نمبر ۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۵ مارچ ۲۰۲۱ء۔

۵۔یونؔس فریدی۔'' استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن:مکان نمبر ۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۱۰،اپریل ۲۰۲۱ء۔

۶۔یونؔس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔پاکپتن:مکان نمبر ۳۶۲۲ گلی گرلز سکول والی بیرون غلہ منڈی۔۲۲ مئی ۲۰۲۱ء۔

۷۔یونؔس فریدی۔''استفسارِ مقالہ نگار''۔وہاڑی:فائیوسٹار ہوٹل۔۱۳ جون ۲۰۲۱ء۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆